مزاراتِ اولیاء اور توسل
www.islamiurdubook.blogspot.com
The e-Book of Ahlesunnat Network
مصنف
علامہ سید شاہ تراب الحق قادری
www.islamiurdubook.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول: زیارتِ قبور

زیارتِ قبور، قرآن کی روشنی میں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے، ''اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، بے شک (وہ) اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور فسق (کفر) ہی میں مر گئے''۔ (التوبہ: ۸۴، کنزالایمان)

☆ اِس آیت سے ثابت ہوا کہ مومن کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے کیونکہ کافر و منافق کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ مومن کی قبر کی زیارت کرنی چاہیے کیونکہ اس آیت میں کافر و منافق کی قبر پر جانے سے منع فرما دیا گیا ہے۔

زیارتِ قبور، احادیث کی روشنی میں:

1- آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، ''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا کرتی ہیں''۔ (ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

☆ ابتدائے اسلام میں نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا کیونکہ لوگ نئے نئے دین اسلام میں داخل ہوئے تھے اس لیے خدشہ تھا کہ بت پرستی کے عادی ہونے کے باعث وہ قبر پرستی نہ شروع کر دیں۔ جب ان کے دلوں میں اسلام اور اسلامی طور طریقے راسخ ہو گئے تو آپ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔

2- حضورِ اکرم ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے، ''قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت یاد دلاتی ہیں''۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

☆ قبروں کی زیارت کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان کو اپنی موت یاد آتی ہے جس سے آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے اور وہ برائیوں کو چھوڑ کر نیکیوں کی طرف راغب ہونے لگتا ہے۔ اگر فکرِ آخرت کے ساتھ بار بار قبروں کی زیارت کی جائے تو یقیناً اس کے اثرات انسانی زندگی پر ظاہر ہوتے ہیں اور وہ رفتہ رفتہ دنیا سے بے رغبت ہو کر راہِ حق پر گامزن ہو جاتا ہے۔

3- رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا، ''میں نے زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اب تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ دل کو نرم کرتی ہیں اور آنکھوں میں آنسو لاتی ہیں''۔

(شرح الصدور ص ۲۸، بحوالہ حاکم

4- نورِ مجسم ﷺ کا ارشاد ہے، ''میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا اب انکی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں''۔ (ایضًا)

☆ اِن احادیثِ مبارکہ سے زیارتِ قبور کی ایک حکمت تو یہ معلوم ہوئی کہ اس سے موت کی یاد اور آخرت کی فکر نصیب ہوتی ہے اور قبولِ حق کے لیے دل نرم ہو جاتے ہیں نیز یہ عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

☆ زیارتِ قبور کی دوسری حکمت احادیثِ کریمہ میں یہ بیان ہوئی ہے کہ زائر سے میت کو سکون ملتا ہے۔

5- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو قبر والے کو اس سے سکون و آرام ملتا ہے اور اِس شخص کے اٹھ کر جانے تک یہی کیفیت رہتی ہے''۔ (حیات الموات ص ۴۷، بحوالہ ابنِ ابی الدنیا)

6- حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حالت نزع میں اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، ''جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح کر کے اسکا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے سکون و آرام حاصل کروں اور جان لوں کہ میں نے اپنے رب کے قاصدوں یعنی فرشتوں کو کیا جواب دینا ہے''۔

(صحیح مسلم، مشکوٰۃ باب دفن المیت)

☆ زیارت قبور کی تیسری حکمت یہ ہے کہ میت کو زائرین کے ایصال ثواب سے نفع پہنچتا ہے۔

7- آقائے دوجہاں ﷺ نے فرمایا، ''قبر میں میت کسی ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے اور اپنے دوست یا رشتہ دار کی دعائے خیر پہنچنے کی منتظر رہتی ہے پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو یہ دعا اسے دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زندوں کی طرف سے ہدیہ کیا ہوا ثواب پہاڑوں کی مانند عطا فرماتا ہے۔ بے شک مردوں کے لیے زندوں کا تحفہ دعائے مغفرت ہے۔

(مشکوٰۃ باب الاستغفار والتوبۃ)

8- حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، ''اپنے مردوں پر سورہ یٰسین پڑھو''۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مطلق ہے خواہ نزع کے وقت سورہ یٰسین سنائیں یا وفات کے بعد۔ دونوں صورتیں اس حدیث کے تحت آتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''جب تم قبرستان جاؤ تو سورۃ الفاتحہ، سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر ثواب قبر والوں کو پہنچاؤ کیونکہ انہیں ثواب پہنچتا ہے۔...... جب انصارِ مدینہ میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا تو وہ اسکی قبر پر جا کر قرآنِ پاک تلاوت کرتے تھے''۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۸۱)

9- رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا، ''جس نے قبرستان جا کر سورہ فاتحہ پڑھی پھر سورہ اخلاص اور سورہ التکاثر پڑھ کر یہ کہا، ''جو میں نے تلاوت کی ہے اسکا ثواب میں قبرستان کے مومن مرد اور عورتوں کو پہنچاتا ہوں''، تو وہ تمام لوگ (جنہیں یہ ثواب پہنچائے گا) بارگاہِ الٰہی میں اسکی شفاعت کریں گے''۔

(ایضاً)

امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم جلد اول میں فرماتے ہیں، ''میت کو تمام عبادات کا ثواب پہنچتا ہے خواہ نماز ہو یا روزہ، تلاوتِ قرآن ہو یا اسکے علاوہ کوئی اور عبادت''۔

☆ زیارتِ قبور کی چوتھی حکمت یہ ہے کہ زائر کو اہلِ قبور کو سلام کرنے کا ثواب ملتا ہے اور قبر والے بھی اسکے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

10- نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ نے فرمایا،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا

وَ نَحْنُ بِالْاَثَرِ

''اے قبر والو! تم پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے پہلے گزر گئے اور ہم تمہارے بعد آنے والے ہیں''۔

(ترمذی، مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور)

11- سرکارِ دوعالم ﷺ کا ارشاد ہے، ''جب کوئی مسلمان کسی قبر والے کو سلام کرتا ہے تو وہ اسکا جواب دیتا ہے اور اگر وہ اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ قبر والا اسے پہچان لیتا ہے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان، ابن ابی الدنیا)

ایک اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ قبرستان کے مُردوں کی تعداد کے برابر فرشتے بھی سلام کا جواب دیتے ہیں۔ (مرقاۃ باب زیارۃ القبور) گویا زائر کو اہلِ قبور اور اتنی ہی تعداد میں فرشتوں کی طرف سے سلامتی کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں۔

زیارتِ قبور کے فوائد:

☆ اس سے موت یاد آتی ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

☆ اس سے قبولِ حق کے لیے دل نرم ہو جاتے ہیں۔

☆ یہ عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

☆ زائر سے میت کو سکون و آرام ملتا ہے۔

☆ زائر کے ایصالِ ثواب سے میت کو نفع ہوتا ہے۔

☆ زائر کو اہلِ قبور کو سلام کرنے کا اجر ملتا ہے۔

☆ اہلِ قبور اور اسی قدر فرشتے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

☆ ایصالِ ثواب کے لیے تلاوتِ قرآن پر کثیر اجر و ثواب ملتا ہے۔

☆ ایصالِ ثواب کرنے والے زائر کے لیے اہلِ قبور شفاعت کریں گے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ زیارتِ قبور سنت سے ثابت ہے، اس سے قبر والوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے اور زیارت کرنے والے بھی نفع پاتے ہیں۔

☆☆☆☆

باب دوم: روضۂ رسول ﷺ پر حاضری

روضۂ انور پر حاضری، قرآن کی روشنی میں:

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے، ''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب (ﷺ) تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی انکی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

(النساء:۶۴، کنزالایمان)

اس آیتِ کریمہ میں مغفرت کے حصول کے لیے تین امور بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی جائے۔

۲۔ وہاں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کی جائے۔

۳۔ رسولِ کریم ﷺ بھی شفاعت فرمائیں۔

جب یہ تینوں باتیں پوری ہوجائیں گی تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا۔

مغفرت کی پہلی شرط ''جَـاءُوكَ'' یعنی مصطفیٰ کریم ﷺ کے دربارِ گہر بار میں حاضری ہے۔ علماء فرماتے ہیں، اگر کوئی مغفرت چاہے تو اسے چاہیے کہ روضۂ اقدس پر حاضری دے۔ اگر وہاں جسمانی حاضری ممکن نہ ہو تو آقا کریم ﷺ کی طرف توجہ کرے اور انکی خدمتِ اقدس میں درود و سلام کا ہدیہ بھیج کر انکے وسیلے سے دعا مانگے کیونکہ یہ آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں روحانی حاضری ہے۔

بعض کم فہم یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا حکم صرف حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے لیے ہی مخصوص تھا جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ عمومِ الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے اور ان سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد آیاتِ قرآنی خاص مواقع پر مخصوص افراد کے حوالے سے نازل ہوئیں اسکے باوجود صحابہ کرام اور تابعین عظام نے ان آیاتِ قرآنی کے عموم الفاظ کو حجت بنایا۔ اسی طرح مذکورہ آیت کریمہ کا حکم بھی عام ہے۔

مفسرین اور ائمہ کرام نے اس آیت کے عموم میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی ظاہری حیات اور حیات بعد از وصال دونوں کو شامل کیا ہے، اسی لیے اسے مستحب فرمایا ہے کہ جو بھی روضۂ اقدس پر حاضر ہو وہ اس آیت کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ وصال کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی گنہگار امت کے لیے مغفرت طلب فرماتے ہیں۔

غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا یہ فرمانِ عالیشان امام احمد بن عمرو بزار رحمۃ اللہ علیہ (م:۲۹۲ھ) نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا،

''میری زندگی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم مجھ سے پوچھتے ہو میں تمہیں احکام سناتا ہوں اور میرا وصال بھی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوا کریں گے۔ میں تمہارے اچھے اعمال دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کروں گا اور تمہارے برے اعمال دیکھ کر تمہارے لیے مغفرت کی دعا کیا کروں گا''۔

(البدایہ و النہایہ ج۵ص۲۷۵)

نبی کریم ﷺ کی حیات بعد از وصال پر تفصیلی گفتگو آئندہ صفحات میں کی جائے گی اسی طرح روضۂ اقدس سے توسل کے متعلق صحابہ کرام اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے واقعات ''توسل'' کے تحت تحریر کیے جائیں گے۔

روضۂ انور پر حاضری، احادیث کی روشنی میں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۰۵۲ھ) روضۂ اقدس پر حاضری کے متعلق فرماتے ہیں، ''احادیث سے زیارتِ قبور کے بارے میں سنت ہونا ثابت ہے چونکہ سید الانبیا ﷺ کا مزارِ اقدس ''سیدُ القبور'' ہے اسلیے اس کی زیارت بالاتفاق بہترین سنت اور مؤکد ترین مستحبات میں سے ہے۔ بعض

علمائے کرام اسکے وجوب کے قائل ہیں''۔(جذب القلوب ص ۲۲۴)

صدرُ الشریعہ علامہ مولانا امجد علی قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زیارتِ اقدس واجب کے قریب ہے''۔(بہارِ شریعت ج ۱ حصہ ششم ص ۱۳۹)

روضۂ رسول ﷺ کی زیارت سے متعلق متعدد احادیثِ کریمہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ (م: ۷۵۶ھ) نے ''شفاء السقام فی زیارت قبر خیر الانام'' میں ،علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی رحمۃ اللہ (م: ۹۱۱ھ) نے ''وفاء الوفا'' اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے ''جذب القلوب الٰی دیار المحبوب'' میں تحریر فرمائی ہیں۔ان میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اسکے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی''۔ (دار قطنی ،بیہقی،ابن خزیمہ)

۲۔ ''جس نے میری قبر کی زیارت کی اسکے لیے میری شفاعت لازم ہوگئی''۔(دار قطنی ،بزاز)

۳۔ ''جو زائر اس طرح آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی اور چیز نہ لائی تو اسکا مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت میں اسکی شفاعت کروں''۔(طبرانی فی الکبیر)

۴۔ ''جس نے خانہ کعبہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا''۔(ابنِ عدی فی الکامل)

۵۔ ''جس نے مدینہ منورہ آ کر میری زیارت کی، میں اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا''۔(سنن دار قطنی ،بیہقی)

۶۔ ''جس نے میری حیاتِ ظاہری کے بعد حج کیا اور پھر میری زیارت کی گویا اس نے میری حیاتِ ظاہری میں میری زیارت کی''۔(دار قطنی ، بیہقی،مشکوٰۃ)

۷۔ ''جو سفر کر کے میری زیارت کو آیا، وہ قیامت میں میرا پڑوسی ہوگا اور جو مدینہ میں قیام کے دوران یہاں کی مشکلات پر صبر کرے گا، میں قیامت میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا''۔(بیہقی ،مشکوٰۃ)

۸۔ ''جس نے حج کیا پھر میری مسجد آ کر میری زیارت کی اسکے لیے دو مقبول حج لکھ دیے گئے''۔(مسند الفردوس)

۹۔ ''جس نے میری زیارت کا ارادہ کیا اور پھر میری زیارت کو آیا، وہ قیامت کے دن میری پناہ میں ہوگا''۔(ابو جعفر عقیلی)

۱۰۔ ''جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیاتِ ظاہری میں میری زیارت کی''۔(طبرانی فی الصغیر والاوسط،مجمع الزوائد)

حاضری کے آداب:

امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، یہ کہنا مکروہ ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی بلکہ بارگاہِ خیر الانام میں حاضری دینے والوں کو یہ کہنا چاہیے کہ ''ہم نے بارگاہِ نبوی کی زیارت کی''۔(جیسا کہ حدیث نمبر ۶ اور حدیث نمبر ۱۰ میں فرمانِ عالیشان موجود ہے)

اسکی تشریح میں علماء فرماتے ہیں، آقائے دوجہاں ﷺ کے ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں حاضری کو بارگاہِ نبوی میں حاضری کہا جائے کیونکہ زائر اس مقدس ذاتِ گرامی ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہے جو اسے دیکھتے ہیں، اسکا کلام سنتے ہیں، اسکے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسے خوب جانتے پہچانتے ہیں۔

زیارت کے وقت مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔

☆ حاضری کے وقت خالص زیارتِ اقدس کی نیت کریں یہاں تک کہ مسجد شریف کی نیت بھی شریک نہ کریں۔

☆ راستے بھر درود وسلام کی کثرت کریں اور جس قدر مدینہ طیبہ قریب آتا جائے، ذوق وشوق زیادہ ہوتا جائے۔

☆ جب حرمِ مدینہ نظر آئے تو بہتر یہ ہے کہ پیدل ہو جائیں، سر جھکائے آنکھیں نیچی کیے درود وسلام کی کثرت کریں اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلیں۔

☆ حاضری سے قبل تمام ضروریات سے جلد فارغ ہو جائیں تاکہ بوقت حاضری دل انکے خیال میں نہ الجھے۔مسواک اور وضو کریں اور غسل کر سکیں تو بہتر ہے۔پھر بہترین سفید کپڑے پہنیں، سرمہ اور خوشبو بھی لگائیں۔

☆ پہلے مسجد نبوی شریف میں داخل ہو کر دو رکعت تحیۃ المسجد اور پھر دو رکعت ادائے شکر کے لیے پڑھیں کہ ربِ کریم نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کے درِ اقدس پر پہنچا دیا۔

☆ آنکھ کان زبان ہاتھ پاؤں دل سب خیالِ غیر سے پاک کر کے خشوع وخضوع کے ساتھ بارگاہِ اقدس کی طرف چلیں۔ کمالِ ادب میں ڈوبے ہوئے، گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کیے، لرزتے کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے حضورِ پُر نور ﷺ کے عفو وکرم کی امید رکھتے، حضور ﷺ کے پاؤں مبارک کی سمت سے یعنی بابِ بقیع سے مواجہہ اقدس میں حاضر ہوں۔ چونکہ حضورِ اکرم ﷺ مزارِ پُر انوار میں رُوبقبلہ جلوہ فرما ہیں اس لیے اس سمت سے حاضر ہو گے تو حضور ﷺ کی نگاہِ بیکس پناہ تمہاری طرف ہو گی اور یہ بات تمہارے لیے دونوں جہاں میں کافی ہے۔

☆ سنہری جالی مبارک میں چہرہ انور کے مقابل ایک چاندی کی کیل لگی ہوئی ہے اسکے سامنے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر قبلہ کو پیٹھ اور مزارِ پُر انوار کو منہ کر کے نماز کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہوں۔ پھر نہایت ادب وخشوع سے آقا ومولیٰ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں سلام عرض کریں اور اگر کسی نے بارگاہِ نبوی میں سلام عرض کرنے کو کہا ہے تو اسکی طرف سے بھی سلام عرض کریں۔ پھر اپنے لیے، اپنے والدین، اولاد، عزیزوں، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے حضور ﷺ سے شفاعت مانگیں۔

اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ۔

''میرے آقا ﷺ! میں آپ سے شفاعت کا طلبگار ہوں''۔

☆ پھر اپنے دائیں طرف ایک ہاتھ ہٹ کر حضرت سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں پھر مزید ایک ہاتھ دائیں طرف ہٹ کر حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔ پھر بالشت بھر بائیں طرف ہٹ کر سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کھڑے ہو کر دونوں پر سلام عرض کریں اور شفاعت کی درخواست کریں۔

☆ پھر دوبارہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے چہرہ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر درود وسلام عرض کریں اور خوب دعائیں مانگیں۔

(بہارِ شریعت حصہ ششم، ملخصاً)

☆ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آدابِ زیارت میں یہ بھی تحریر فرمایا، ''خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ یہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ''۔ (انور البشارۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے تو ایسے انہماک سے مؤدب کھڑے ہوتے کہ دیکھنے والوں کو شبہ ہو جاتا، کہ شاید وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ (کتاب الشفا جلد دوم) حضرت ایوب سختیانی رضی اللہ عنہ جب روضہ اقدس کے قریب پہنچے تو قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے منہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف کر لیا اور زار وقطار روئے۔ (وفاء الوفا جز ۲ ص ۴۲۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ حکومتی ذمہ داریوں کے باعث ملک شام میں مصروف ہوتے مگر باقاعدگی سے ایک قاصد مدینہ منورہ بھیجتے تا کہ وہ ان کی طرف سے بارگاہِ رسالت میں سلام عرض کرے۔ (کتاب الشفا جلد دوم)

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۶۹ھ) فرماتے ہیں، ''اسلاف کا یہ معمول تھا کہ وہ بارگاہ نبوی میں جانے والوں کے ذریعے سلام کا تحفہ بھیجا کرتے''۔

(نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۶)

رسول کریم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضری کی عظمت کا اندازہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے کیجیے کہ::

''روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح روضہ اقدس پر حاضری دیتے ہیں اور درود وسلام عرض کرتے ہیں جب شام ہوتی ہے تو واپس چلے جاتے ہیں اور مزید ستر ہزار فرشتے حاضر ہو کر درود وسلام پیش کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا یہاں تک کہ جب حضور ﷺ روضہ انور سے باہر تشریف لائیں گے تو ستر ہزار فرشتے بازو پھیلائے ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ ہونگے''۔ (مشکوٰۃ باب الکرامات)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام یوں بندگی زلف ورُخ آٹھوں پہر کی ہے
جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئیں گے رخصت ہی بارگاہ سے بس اِسقدر کی ہے
معصوموں کو ہے عمر میں صرف ایک بار بار عاصی پڑے رہیں تو صلا عمر بھر کی ہے

رِیاضُ الجنّت:

آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، "میری قبر اور میرے منبر کی درمیانی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"۔ (بخاری مسلم)
حضور ﷺ کی قبر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک میں ہے۔ اس حجرہ مبارکہ اور مسجد نبوی میں جہاں سرکار ابد قرار ﷺ کا مصلّٰے مبارک و منبر شریف ہے، انکی درمیانی جگہ کو جنت کا باغ کہا گیا۔ غور فرمائیے کہ وہ کیا سبب ہے کہ جس کے باعث اس جگہ کو جنت کا باغ کہا گیا۔
قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے والے خوب جانتے ہیں کہ جس چیز کو حبیبِ کبریا ﷺ سے نسبت ہو جائے وہ عظمت و برکت والی بن جاتی ہے۔ آثارِ نبوی ﷺ سے توسل کے عنوان کے تحت ہم اس بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔

اِرشادِ باری تعالیٰ ہوا،

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ "مجھے اس شہر کی قسم"۔ (البلد:۱)

ربِ کریم نے شہر مکہ کی قسم کیوں ارشاد فرمائی؟
کیا اس لیے کہ یہاں خانہ کعبہ ہے؟ نہیں۔ کیا اس لیے کہ یہاں چاہِ زمزم ہے؟ نہیں۔ کیا اس لیے کہ یہاں صفا و مروہ ہیں؟ نہیں۔ کیا اس لیے کہ یہاں مقامِ ابراہیم ہے؟ نہیں۔ کیا اس لیے کہ یہاں حجرِ اسود ہے؟ نہیں۔
اگر چہ یہ تمام جگہیں محبوبانِ خدا سے نسبت رکھنے کے باعث عظمت و برکت والی ہیں لیکن ربِ کریم نے شہر مکہ کی قسم اس لیے ارشاد فرمائی کہ:

اَنْتَ حِلٌّ "بِهٰذَا الْبَلَدِ

"کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو"۔ (البلد:۲)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

کھائی قرآں نے خاکِ گزر کی قسم
اُس کفِ پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

گویا سرکارِ دوعالم ﷺ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر چلتے رہے تو آپ کے مبارک قدموں سے لگنے کے باعث ربِ کریم نے مکہ مکرمہ کی قسم ارشاد فرمائی۔
جب آقا کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو آپکے پاؤں مبارک چومنے کے باعث یہ سرزمین یثرب سے مدینہ طیبہ بن گئی۔
جب آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر میں دستِ مبارک لگایا اور اسے اپنے قدم مبارک چومنے کا شرف بخشا تو وہاں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر قرار پایا۔ اسی طرح آقا ومولیٰ ﷺ اپنے حجرہ مبارک سے نکلتے اور مصلّٰے شریف پر نماز پڑھاتے پھر حجرہ مبارک تشریف لے آتے اور روزانہ متعدد بار حجرہ مبارکہ سے مسجد شریف آتے جاتے۔
غور کریں تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ پوری زمین میں صرف یہی وہ مقام ہے جس پر سرکارِ دوعالم ﷺ سب سے زیادہ چلے ہیں۔ گویا یہ خطہ بار بار آقائے دوجہاں ﷺ کے قدم چومتا رہا اور "ریاض الجنت" بن گیا۔

اِس طرف روضہ کا نور اُس سمت منبر کی بہار
بیچ میں جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

یہی وجہ ہے کہ علمائے محققین کے نزدیک قبرِ اطہر اور زمین کا وہ حصہ جو سرکارِ دوعالم ﷺ کے جسمِ اقدس لگا ہوا ہے وہ تمام زمین وآسمان حتیٰ کہ کعبہ وعرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ علامہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں،

"زمین کا جو حصہ حضور ﷺ کے اعضائے شریفہ سے متصل ہے وہ مطلقاً تمام کائنات سے افضل ہے۔ یہاں تک کہ کعبہ سے اور کرسی سے اور رحمٰن کے عرش سے بھی افضل ہے"۔ (درمختار علی ہامش الردج ۲ص ۳۵۲)

☆☆☆☆

باب سوم: صالحین کی برکتیں

محبوبانِ خدا کے آستانے:

☆ قرآنِ کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد مذکور ہے، ''اور اس (اللہ) نے مجھے بابرکت کیا خواہ میں کہیں بھی ہوں''۔ (مریم: ۳۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے زمین کے اوپر موجود ہوں یا وصال فرما چکے ہوں وہ برکت والے ہوتے ہیں۔

☆ سورہ آلِ عمران میں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آتے تو وہاں بے موسم کے تازہ پھل پاتے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم دیکھ کر آپ نے انکے پاس بیٹے کی دعا فرمائی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو، بولا اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد، بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے''۔

(آلِ عمران: ۳۸، کنزالایمان)

انکی دعا فوراً قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت ہوئی۔ اسکی تفسیر میں ہے، ''معلوم ہوا کہ ولی کے پاس دعا مانگنا نبی کی سنت ہے اور وہ دعا زیادہ قبول ہوتی ہے خواہ زندہ ولی کے پاس دعا کرے یا ان کی قبروں کے پاس''۔ (نورالعرفان)

☆ غیب جاننے والے آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے پھر وہ ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے پوچھا، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ راہب نے کہا نہیں۔ اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔ پھر اس نے کسی عالم سے پوچھا، اب کیا کروں؟ اس عالم نے کہا، تم فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں۔ وہ شخص روانہ ہوا لیکن اسے راستے میں موت آ گئی۔ اسکے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا۔ دونوں اسے اپنے ساتھ لے جانے پر مُصر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے نیکوں والی بستی کو حکم دیا کہ اس شخص کے قریب ہو جا۔ اور دوسری بستی سے کہا، اس سے دور ہو جا۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا اب ان دونوں جگہوں سے فاصلے کی پیمائش کرو۔ وہ جس جگہ کے زیادہ قریب ہوگا اسکے مطابق اس کا انجام ہوگا۔ جب انہوں نے فاصلہ ناپا تو وہ صالحین کی بستی کے ایک بالشت زیادہ قریب تھا اس بنا پر اسے بخش دیا گیا۔ (بخاری مسلم)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے آستانے اور مزارات رحمتوں اور برکتوں کا مرکز ہوتے ہیں۔ قبولِ توبہ اور حاجت روائی کے لیے انکے آستانوں پر حاضری دینا بالکل جائز ہے۔

انبیاء و اولیاء کی برکتیں:

☆ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! آپ میرے گھر تشریف لائیں اور وہاں کسی جگہ نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو نماز کی جگہ بنالوں۔ آقا و مولیٰ ﷺ انکے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا، میں کس جگہ نماز پڑھوں؟ انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو حضور ﷺ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔ (بخاری، مسلم)

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''اس سے ثابت ہوا کہ جو چیز صالحین کے اجسام سے چھو جائے اس سے برکت حاصل کرنی چاہیئے''۔

(ارشادالساری شرح بخاری ج اص ۳۸۱)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضور اکرم ﷺ کے منبر پر شریف پر بیٹھنے کی جگہ اپنے ہاتھ پھیرتے اور پھر اپنے چہرے پر مل لیتے۔ محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ وہ مسجد نبوی میں آتے تو منبرِ رسول ﷺ کے اس حصہ کو جو روضہ اقدس سے متصل ہے، ہاتھوں سے پکڑ لیتے اور قبلہ رُخ ہو کر دُعائیں مانگا کرتے۔ (کتاب الشفا جلد دوم، شرح شفا)

☆ حضرت ابنِ منکدر رضی اللہ عنہ (تبع تابعی) مسجد نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لیٹتے اور لوٹتے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا، ''میں نے خواب میں اس جگہ رسولِ کریم ﷺ کو دیکھا ہے''۔ (وفاء الوفا جز ثانی ص ۴۴۵)

☆ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں یہ بات معروف ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جب اس دارالحدیث میں امام سبکی آئے تو فرمایا، ''میں یہاں ہر جگہ سجدہ کروں گا تاکہ میری پیشانی اس جگہ لگ جائے جہاں امام نووی کے قدم لگے ہوں''۔

غور فرمایئے جب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے آثار ایسے بابرکت ہیں کہ ائمہ حدیث انکے پاؤں لگنے کی جگہ اپنی پیشانی رکھنا برکت وسعادت کا باعث سمجھتے ہیں تو آقا ومولیٰ ﷺ کے آثار کس قدر بابرکت ہونگے؟

امام احمد المقری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۴۱ھ) فرماتے ہیں، ''بے شمار ائمہ ومشائخ کو دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے نعلین شریف کے نقش مبارک سے تبرک حاصل کرتے اور اس سے شفا کے لئے توسل کرتے تھے۔ (فتح المتعال فی مدح النعال ص ۲۵۳)

خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے نسبت اور تعلق رکھنے والی چیزوں میں اتنی برکت ہے تو وہ جگہیں کس قدر بابرکت ہونگی جہاں وہ نیک بندے آرام فرما ہیں، معلوم ہوا کہ محبوبانِ خدا کے مزارات بھی برکت والے ہوتے ہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے مزار کی برکت:

حضرت یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد مصری لوگوں میں تنازع ہوگیا۔ ہر محلے کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ آپ کو ان کے محلے میں دفن کیا جائے تاکہ وہ آپ سے برکت حاصل کرسکیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے آپ کو دریا کے دائیں جانب دفن کیا گیا تو اس طرف کا علاقہ سرسبز ہوگیا اور دوسری طرف زمین خشک رہی۔ اس پر دوسری طرف کے لوگ کہنے لگے کہ انہیں ہماری طرف دفن کیا جائے۔ چنانچہ انہیں دریا کے بائیں جانب دفن کیا گیا۔ اب اس طرف کا علاقہ سرسبز وشاداب ہوگیا اور دوسری طرف کا علاقہ خشک رہنے لگا۔ اس پر لوگوں میں جھگڑا ہوگیا۔ دونوں طرف کے لوگ یہ چاہتے تھے کہ آپ کو انکے علاقے میں دفن کیا جائے۔

آخرکار یہ فیصلہ ہوا کہ آپ کو سنگِ مرمر کے صندوق میں لٹا کر دریائے نیل کے اُس مقام پر دفن کیا جائے جہاں سے پانی مختلف علاقوں میں تقسیم ہوتا ہے تاکہ دریا کے پانی سے سب لوگ یکساں برکت حاصل کرسکیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اسطرح تمام علاقوں کو آپ کی برکت سے خوشحالی وشادابی حاصل ہوگئی۔

(تفسیر مدارک التنزیل، حاشیہ تفسیر جلالین سورہ یوسف زیر آیت ۱۰۱)

ثابت ہوا کہ اُس دور میں بھی ایمان والوں کا یہی عقیدہ تھا کہ جس طرح ظاہری حیات میں نبی سے برکتیں حاصل کی جاتی ہیں اسی طرح بعد وصال بھی نبی کے مزارِ اقدس سے برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

صالحین کے قریب دفن ہونا:

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے قرب وجوار میں دفن ہونے کی تمنا کرنا محبوبانِ خدا کا طریقہ رہا ہے۔

☆ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات سے قبل وصیت فرمائی کہ مجھے ملک شام میں اللہ تعالیٰ کے نبی اور میرے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ جب آپ کا وصال ہوگیا تو حضرت یوسف علیہ السلام آپ کا جسم مبارک لیکر مصر سے شام گئے اور وہاں حضرت اسحاق علیہ السلام کے قریب آپ کو دفن کیا۔ (تفسیر کبیر)

☆ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصال سے قبل اپنے بیٹے سے فرمایا، تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاکر میرا سلام کہو اور اجازت مانگو کہ وہ مجھے میرے آقا کریم ﷺ اور میرے دوست صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن کیے جانے کی اجازت دے دیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی ہوئی تھی لیکن آج میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے واپس جاکر یہ خوشخبری سنائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میرے نزدیک اس آرام گاہ سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہے۔ (بخاری جلد اول کتاب الجنائز)

معلوم ہوا کہ جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آقا و مولیٰ ﷺ کے قریب دفن ہونا چاہتے تھے اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہی خواہش تھی کہ انہیں حضور ﷺ کے قریب دفن کیا جائے تاکہ انہیں محبوبِ کبریا ﷺ کے قرب کی برکتیں حاصل ہوں۔

بیت المقدس کی برکتیں:

☆ رسول کریم ﷺ نے فرمایا، جب حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تھپڑ مارا جس سے انکی آنکھ ضائع ہوگئی۔ ملک الموت واپس بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے اور عرض کی، الٰہی! مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو پھر آنکھ عطا فرمائی اور فرمایا، جاؤ اور میرے بندے سے کہو کہ وہ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھے، ہاتھ کے نیچے جتنے بال آئیں گے میں اتنے سال اسکی عمر بڑھادوں گا۔

جب ملک الموت نے یہ پیغام پہنچایا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی، الٰہی پھر کیا ہوگا؟ فرمایا، پھر موت آجائے گی۔ تو آپ نے عرض کی، جب موت آنی ہی ہے تو ابھی آجائے۔ اے اللہ! مجھے بیت المقدس کی سرزمین پر پہنچادینا۔

(بخاری کتاب الجنائز، مسلم باب فضائلِ موسیٰ)

اسکی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں دفن ہونے کی خواہش صرف اسلیے کی کہ وہ بیشمار انبیاء کرام کا مدفن ہونے کے باعث متبرک ہے۔ آپ کی دعا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے قرب و جوار میں دفن ہونا مستحب ہے''۔ (شرح صحیح مسلم)

☆ بیت المقدس کے بابرکت ہونے کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوا، ''مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں''۔ (بنی اسرائیل:۱)

اس آیت کی تفسیر میں مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں، ''روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ مقام کتنے انبیاء اور رُسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض وانوار کا سرچشمہ رہا ہے''۔ (موضح القرآن)

مولوی اشرفعلی دیوبندی نے بھی اس آیت کے تحت یہی لکھا ہے، ''دینی برکت یہ کہ وہاں بکثرت انبیاء مدفون ہیں''۔ (بیان القرآن)

پس قرآن کریم سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام کے مزارات برکتوں والے ہیں۔

☆ آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''جس سے ہوسکے وہ مدینے میں مرے، جو مدینے میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا''۔ (ترمذی)

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی برکت سے مدینہ منورہ میں موت آنا اتنی سعادت و برکت کا باعث ہوگیا کہ سرکار ابد قرار ﷺ وہاں فوت ہونے والوں کو شفاعت کا مژدۂ جانفزا سناتے ہیں اور اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں موت آنے کی دعا مانگا کرتے تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا،

طیبہ میں مر کے ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند
سیدھی سڑک یہ شہرِ شفاعت نگر کی ہے

تبرکاتِ صالحین کی برکت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں سے نسبت رکھنے والی چیزیں باعثِ برکت ونجات ہوتی ہیں اور اِن کے صدقے اور وسیلے سے مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔

☆ بنی اسرائیل کے پاس ایک صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مبارک، لباس مبارک اور نعلین شریف نیز حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ مبارک اور توریت کی تختیاں تھیں۔ جس میدان جنگ میں وہ یہ صندوق لے کر جاتے تو انہیں دشمن پر فتح حاصل ہوتی اسلیے وہ اس صندوق

کو "تابوتِ سکینہ" کہنے لگے۔ ایک بار وہ تابوت ان سے کسی قوم نے چھین لیا اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے بنی اسرائیل کے حوصلے پست ہو گئے تو ان سے اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا، تم جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ تمھارا صندوق فرشتے اٹھا کر لائیں گے اس اس بات کا ذکر قرآن کریم میں یوں موجود ہے،

"اور اُن سے ان کے نبی نے فرمایا، اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمارے پاس تابوت جس میں تمھارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی، اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے، بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر ایمان رکھتے ہو"۔

(البقرہ:۲۴۸، کنزالایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے آثار و تبرکات سے توسل اور حصولِ برکت جائز ہے۔ نیز آثار و تبرکات کا بابرکت ہونا ایمان والوں کے لیے نشانی قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے آثار و تبرکات کو بنی اسرائیل بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنایا کرتے تھے اور ان کی برکت سے فتح و نصرت پاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے عطائے الٰہی سے خود بھی اپنے بابرکت ہونے کا علم رکھتے ہیں اسلیے وہ اپنی برکتیں دوسروں کو عطا فرماتے ہیں۔

☆ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں زیادہ رونے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتی رہی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ خبر ملی تو انہوں نے اپنا کرتا مبارک اتار کر اپنے بھائیوں کو دیا اور فرمایا، "میرا یہ کرتا لیجاؤ اور اسے میرے والد کے منہ پر ڈالو، ان کی بینائی لوٹ آئے گی"۔ (یوسف:۹۳)

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسمِ اقدس سے چھو جانے کی برکت سے وہ کرتا ایسا بابرکت ہو گیا کہ اسے آنکھوں پر لگانے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی۔ (یوسف:۹۶)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ معظم ﷺ جب صحابہ کرام کے ساتھ قومِ ثمود کی بستی سے گزرے تو صحابہ کرام نے وہاں سے پانی لیا اور اس سے آٹا گوندھ لیا اس پر رسولِ کریم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ آٹا جانوروں کو کھلا دو اور یہاں سے جلدی نکلو کیونکہ یہ ایسی بستی ہے جس پر عذاب نازل ہوا تھا۔ "پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس کنوئیں سے پانی لیں جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی"۔ (مسلم کتاب الزہد والرقاق)

اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود وہ کنواں اب تک متبرک تھا۔ اسلیے حضور ﷺ نے اس کا پانی پی کر برکت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح قوم ثمود کی نحوست سے بچنے کے لیے وہاں سے جلدی نکلنے کا حکم دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے نسبت حاصل کر لے، وہ ہمیشہ کے لیے متبرک ہو جاتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے آثار و تبرکات سے برکت حاصل کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے، اسے توسل بھی کہتے ہیں۔

چونکہ مزاراتِ اولیاء کرام کو فیوض و برکات کے حصول کے لیے وسیلہ بنایا جاتا ہے اسلیے مزاراتِ اولیاء کے آداب اور فیوض و برکات پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم پہلے یہ سمجھ لیں کہ وسیلہ کیا ہے؟

بزرگانِ دین کی زندگی میں اور ان کے وصال کے بعد ان سے توسل کرنا قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

کیا غیر نبی یعنی اولیاء کرام سے توسل جائز ہے؟

توسل کے حوالے سے اکابرینِ امت کا کیا طریقہ رہا ہے؟

ان سوالوں کی روشنی میں ہم آئندہ صفحات میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔

☆☆☆☆

باب چہارم: وسیلہ کیا ہے؟

وسیلہ اور توسل:

اہلِ لغت نے وسیلہ کی تعریف یوں کی ہے، اَلْوَسِیْلَۃُ مَا یَتَقَرَّبُ بِہٖ اِلَی الْغَیْرِ۔(لسان العرب ج ۱۱ص ۷۲۵)

جس کے ذریعے کسی دوسری چیز کا قرب حاصل کیا جائے، اسے "وسیلہ" کہتے ہیں جبکہ کسی شے کو کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ بنانا "توسل" ہے۔ شرعی اصلاح میں توسل یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا قرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کسی ایسی ہستی یا عمل یا شے کو ذریعہ بنایا جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہو۔"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو"۔(المائدہ:۳۵ کنزالایمان)

اس آیتِ مقدسہ میں وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بعض لوگ صرف اعمالِ صالحہ کو وسیلہ قرار دیتے ہیں حالانکہ کوئی شخص ہرگز یہ نہیں جانتا کہ اس کے اعمال بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہیں یا نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کریم ﷺ کے بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونے میں کسی مومن کو شبہ نہیں ہوسکتا۔ تو جب ان اعمال صالحہ کو جو کہ مخلوق ہیں اور جن کی مقبولیت مشکوک ہے، وسیلہ بنایا جاسکتا ہے تو سب سے بہتر مخلوق، نبی کریم ﷺ کو وسیلہ کیوں نہیں بنایا جاسکتا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقبول بندے ہیں۔

مکۃ المکرمہ کے مشہور محقق اور نامور عالم ڈاکٹر سید محمد علوی مالکی ظلہ العالی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں،

"اس آیت میں وسیلہ کا لفظ صالح ہستیوں اور اعمالِ صالحہ دونوں کے لیے ہے۔ انبیاء و صالحین اور اولیاء کرام سے انکی ظاہری زندگی میں توسل ہو یا انکے وصال کے بعد یا شریعت کے مطابق انجام دیے گئے اعمالِ صالحہ سے توسل ہو، یہ دونوں طریقے نہ صرف جائز بلکہ مشروع ہیں۔

احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے توسل آپ ﷺ کی تخلیق سے پہلے، ولادت کے بعد، وصال کے بعد برزخ میں اور بعثت کے بعد میدانِ قیامت میں بلکہ ہر دور میں کیا گیا اور کیا جاتا رہے گا"۔(مفاهيم يجب ان تصحح)

تشریف آوری سے قبل توسل:

☆ اہلِ کتاب کا حضور ﷺ سے توسل کرنا قرآن سے ثابت ہے۔ ارشاد ہوا، "اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے"۔(البقرہ:۸۹)

اس کی تفسیر میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل یہودی آپ ﷺ کے وسیلے سے کافروں پر فتح کی دعا مانگتے اور انہیں فتح ملتی۔(تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح المعانی)

☆ جب حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہوئی تو انہوں نے عرض کی، اے اللہ! میں حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، اے آدم (علیہ السلام)! تو نے محمد ﷺ کو کیسے پہچانا؟ عرض کی، الٰہی! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس ہستی کے نام کو ملایا ہے وہ یقیناً تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ ارشاد ہوا، "تو نے سچ کہا، بیشک وہ مجھے سب مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں مجھے انکے وسیلے سے پکارو میں تمہیں بخش دوں گا۔ اور اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا"۔

اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک میں، امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، امام قسطلانی اور امام زرقانی نے مواہب الدنیہ میں، امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اور امام تقی الدین سبکی نے شفاء السقام میں بیان کیا اور سب محدثین (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے اسکی سند کو صحیح قرار دیا۔

مذکورہ آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ آقا کریم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے قبل آپ کا وسیلہ اختیار کیا گیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جس ہستی کا وسیلہ اختیار کیا جائے اسکا ظاہری طور پر دنیا میں موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

آپ کی حیاتِ طیبہ میں توسل:

☆ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی، رحمتِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، "یارسول اللہ ﷺ! آپ اللہ تعالیٰ سے میری صحت کے لیے دعا فرمایئے"۔ آپ نے فرمایا، تم اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا کرو،

"اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے جو رحمت والے نبی ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اسلیے متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ یا اللہ! حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما"۔

جب اس نابینا صحابی رضی اللہ عنہ نے بعد نماز یہ دعا کی (جس میں "یارسول اللہ ﷺ" کی ندا موجود ہے) تو اسکی آنکھیں روشن ہوگئیں اور خدا کی قسم! وہ ہمارے پاس اس طرح آیا جیسے کہ وہ کبھی نابینا ہی نہ تھا"۔

(حاکم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، طبرانی، ابن خزیمہ)

امام ترمذی، امام بیہقی اور امام ذہبی نے فرمایا، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۰۱)

اس حدیث سے دو اہم باتیں واضح ہوئیں۔ اول یہ کہ نبی کریم ﷺ کا خود یہ عقیدہ ہے کہ مجھے بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے اسلیے انہوں نے اپنا وسیلہ اختیار کرنے کی تعلیم دی۔ دوم یہ کہ "یارسول اللہ ﷺ" پکارنے کی تعلیم خود آقا و مولیٰ ﷺ نے دی ہے لہٰذا "ندائے یارسول اللہ ﷺ" ہرگز شرک یا بدعت نہیں۔ اس کے متعلق آئندہ صفحات میں مزید گفتگو کی جائے گی۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی ﷺ میں ایک بار قحط پڑا۔ حضور ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! قحط سے جانور ہلاک ہو رہے ہیں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ ہمیں پانی عطا کرے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ اسی وقت آسمان پر بادل چھاگئے اور ہم برستی ہوئی بارش میں اپنے گھروں کو گئے۔ اگلے جمعہ تک متواتر بارش ہوتی رہی۔ پھر کسی نے کھڑے ہو کر عرض کی، آقا! ہمارے گھر گرنے لگے ہیں آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بارش روک لے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ مبارک اٹھا کر فرمایا، الٰہی! ہمارے اردگرد برسا، ہم پر نہ برسا۔ پس ہم نے دیکھا کہ بادل مدینہ منورہ کو چھوڑ کر اردگرد برسنے لگے اور مدینہ منورہ تاج کی طرح چمکنے لگا۔ (بخاری جلد اول ابواب الاستسقاء)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام مشکل وقت میں حاجت روائی کے لیے سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں فریاد کیا کرتے اور مشکل کشائی کے لیے آقا کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے توسل کرتے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب دورِ فاروقی میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے یہ دعا کی، "اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے اور تو ہمیں بارش عطا فرماتا تھا اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں، تو بارش عطا فرما"۔ پس بارش ہوگئی۔ (بخاری جلد اول ابواب الاستسقاء)

اس حدیث شریف سے دو اہم باتیں معلوم ہوئیں:-

اول یہ کہ صحابہ کرام آقا و مولیٰ ﷺ کو وسیلہ بنایا کرتے تھے یعنی وسیلہ اختیار کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔

دوم یہ کہ غیر نبی کو وسیلہ بنانا بھی جائز ہے۔

تبرکاتِ نبوی سے توسل:

صحابہ کرام برکت حاصل کرنے کے لیے سرکارِ دوعالم ﷺ کے آثار و تبرکات کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ اس بارے میں کثیر احادیث وارد ہیں۔

☆ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، خدا کی قسم! جب حضور ﷺ تھوکتے ہیں تو ان کا لعاب دہن کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی پر ہی گرتا ہے جسے وہ

اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ وضو فرماتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ لوگ انکے وضو کے مستعمل پانی کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الشروط)

☆ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آقا و مولیٰ ﷺ کے وضو کا استعمال شدہ پانی ایک برتن میں لے کر آئے تو لوگ دیوانہ وار لپک کر اس پانی کو لے کر اپنے جسموں پر ملنے لگے۔ جن لوگوں کو پانی نہ مل سکا انہوں نے اپنے ساتھیوں کے گیلے ہاتھوں سے تری لے لی۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ نے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے مشکیزہ کے دہانے سے اپنا مبارک منہ لگا کر پانی پیا تو اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے مشکیزہ کا وہ حصہ کاٹ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ (مُسند احمد، طبرانی)

☆ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "اس جُبہ مبارک کو نبی کریم ﷺ پہنتے تھے اب ہم اسے دھو کر اسکا پانی مریضوں کو پلاتے ہیں اور اسکی برکت سے انہیں شفا مل جاتی ہے"۔ (صحیح مسلم)

☆ حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا، میرے گھر چلو، میں تمہیں اس پیالے میں پانی پلاؤں گا جس میں رسول کریم ﷺ نے پانی پیا ہے اور تمہیں ایسی جگہ نماز پڑھاؤں گا جہاں آقا و مولیٰ ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ میں انکے گھر گیا تو انہوں نے اس پیالے میں پانی پلایا، کھجوریں کھلائیں اور پھر میں نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں رسولِ معظم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ (بخاری)

☆ حضرت عثمان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے ایک پیالہ میں پانی دے کر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ انکے پاس چاندی کی ایک ڈبیا میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے موئے مبارک رکھے ہوئے تھے۔ جب کسی کو نظر لگ جاتی یا کوئی اور تکلیف ہوتی تو وہ موئے مبارک نکال کر اس پانی میں ہلاتیں اور پھر وہ پانی مریض کو پلا دیا جاتا۔ (بخاری کتاب اللباس)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ ہمارے گھر چمڑے کے بستر پر آرام فرماتے تھے اور آپ کو پسینہ آ رہا تھا۔ میں نے آپکا مقدس پسینہ اور موئے مبارک جمع کیے اور ایک شیشی میں محفوظ کر کے اس میں خوشبو ملا لی۔ راوی کہتے ہیں کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ پسینۂ رسول ﷺ والی خوشبو میرے جسم اور کفن پر مل دینا۔ چنانچہ انہیں وہی خوشبو لگائی گئی۔ (بخاری کتاب الاستیذان)

☆ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نورِ مجسم ﷺ کے موئے مبارک اپنی ٹوپی میں رکھ لیے ہیں، میں جس جنگ میں بھی جاتا ہوں اِن کی برکت سے ضرور فتح پاتا ہوں۔ (حاکم، بیہقی)

☆ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر بالوں کا ایک گچھا تھا۔ جب وہ بیٹھ کر بال کھولتے تو وہ زمین تک آ جاتے۔ لوگوں نے کہا، آپ یہ بال کیوں نہیں کٹواتے؟ آپ نے فرمایا، ان بالوں کو میں زندگی بھر نہیں کٹواؤں گا کیونکہ ان پر ایک بار میرے آقا و مولیٰ ﷺ نے دستِ شفقت پھیرا تھا۔ (دار قطنی، بیہقی، طبرانی)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دو پرانے جوتے نکال کر دکھائے جن میں سے ہر ایک میں دو تسمے تھے۔ آپ نے فرمایا، یہ رسول کریم ﷺ کے نعلین مبارک ہیں۔ (بخاری کتاب الجہاد والسیر)

☆ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا نیزہ غزوہ بدر کے بعد نبی کریم ﷺ نے مستعار لے لیے تھا۔ جب حضور ﷺ کا وصالِ ظاہری ہوا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے وہ نیزہ واپس لے لیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ نیزہ مانگ لیا۔ جب انکا وصال ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مانگ لیا اسی طرح وہ نیزہ چاروں خلفاء کے پاس بطورِ تبرک منتقل ہوتا رہا۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اسے لے لیا اور انکے شہید ہونے تک وہ انہی کے پاس رہا۔ (بخاری کتاب المغازی)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آقا و مولیٰ ﷺ کا پیالہ مبارک تھا۔ وہ ٹوٹ گیا تو آپ نے دراڑ والی جگہ پر چاندی کا پترا لگوایا۔ راوی کہتے ہیں، میں اس مبارک پیالے کی زیارت کی ہے اور اس میں پانی بھی پیا ہے۔ (بخاری کتاب الجہاد والسیر)

☆ حضورﷺ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر چمڑے کے بستر پر آرام فرماتے اور آپ کو پسینہ آرہا تھا۔ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا آپ کا پسینہ مبارک ایک شیشی میں جمع کرنے لگیں۔ حضورﷺ نے پوچھا، تم کیا کررہی ہو؟ عرض کی، ہم اس پسینے سے اپنے بچوں کے لیے برکت کی امید رکھتے ہیں۔ فرمایا، تم ٹھیک کرتی ہو۔

(مسلم باب طیب عرقہ والتبرک بہ)

☆ نبی کریمﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک عورت نے خوبصورت چادر پیش کی۔ آپ نے وہ زیبِ تن فرمالی۔ ایک صحابی نے عرض کی، یارسول اللہﷺ! یہ چادر مجھے عطا فرما دیجیے۔ آپ نے وہ چادر اسے عطا فرما دی۔ بعد میں صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اس شخص سے کہا، تم نے یہ چادر کیوں مانگی جبکہ تم جانتے ہو کہ آقا کریمﷺ کے پاس ایک ہی چادر ہے۔ اس صحابی نے جواب دیا، خدا کی قسم! میں نے یہ چادر پہننے کے لیے نہیں مانگی بلکہ اپنے کفن کے لیے لی ہے۔ میں اس سے برکت کی امید کرتا ہوں کیونکہ یہ آقا و مولیٰﷺ کے جسمِ اقدس کے ساتھ لگ چکی ہے۔

(بخاری کتاب اللباس)

ایسی بیشمار روایات کتب حدیث میں موجود ہیں بلکہ امام بخاری نے تو صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر میں ایک باب کا عنوان ہی یہ قائم کیا، ''نبی کریمﷺ کے تبرکات کا بیان یعنی آپ کی زرہ، عصا، تلوار، پیالہ اور انگوٹھی جن کو بعد میں آپ کے خلفاء نے استعمال کیا اور انہیں تقسیم نہیں کیا گیا۔ نیز آپ کے موئے مبارک، نعلین مبارک اور برتنوں کو آپکے وصال کے بعد صحابہ کرام اور دوسروں نے تبرکات قرار دے کر ان سے برکت حاصل کی''۔

سبحان اللہ! امام بخاری کے قائم کردہ اس تفصیلی عنوان سے ہی یہ بات ثابت ہوگئی کہ سرکارِ دوعالمﷺ کے آثار و تبرکات سے صحابہ کرام برکت حاصل کرنے کے لیے توسل کرتے تھے۔ ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ کے آثار سے برکت حاصل کرنا اور حاجت روائی کے لیے ان سے توسل کرنا بالکل جائز ہے۔

یہ ایمان افروز روایت بھی ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آقائے دوجہاںﷺ کے تبرکات تھے۔ آپ نے بوقت وصال یہ وصیت فرمائی کہ ''مجھے کفن میں آقا کریمﷺ کا کرتہ اور آپ کا تہبند پہنا کر حضورﷺ کی چادر مبارک میں لپیٹ دیا جائے، میرے گلے، منہ اور اعضائے سجدہ پر سرکارِ دوعالمﷺ کے موئے مبارک اور ناخن مبارک کے تراشے رکھ دیے جائیں اور مجھے اَرحَم الرّاحمین کے سپرد کردیا جائے''۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ صحابہ کرام جب رحمتِ عالمﷺ کے آثار و تبرکات کو وسیلہ بنایا کرتے تھے تو کیا آقا کریمﷺ کی ذاتِ اقدس کو وسیلہ نہیں بناتے تھے؟ اگر نبی کریمﷺ سے نسبت کی وجہ سے آپ کے بال مبارک، تھوک مبارک، پسینہ مبارک، جبہ مبارک، پیالہ مبارک، جسمِ اقدس سے چھو جانے والی جگہیں اور اعضائے وضو سے لگے ہوئے پانی کو حصولِ برکت کے لیے وسیلہ بنانا جائز ہے تو سرکارِ دوعالمﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو وسیلہ بنانا کیونکر ناجائز ہوسکتا ہے؟؟؟

ایک اور ایمان افروز نکتہ یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام اپنے آقا و مولیٰﷺ کے آثار و تبرکات کو حصولِ برکت کے لیے وسیلہ بناتے جیسا کہ احادیثِ کریمہ اوپر بیان ہوئیں لیکن خاص بات یہ ہے کہ حضورﷺ ازخود بھی اپنی برکتیں اپنے غلاموں کو عطا فرماتے تھے۔ اس حوالے سے بھی احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

☆ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام پر بیعت کی۔ ہم نے عرض کی، ہمارے یہاں ایک کلیسا ہے۔ آقا و مولیٰﷺ نے ایک برتن میں پانی سے کلی کی اور وہ پانی ایک مشکیزے میں ڈال کر ہمیں عطا کیا اور فرمایا، تم اس کلیسا کو توڑ کر یہ پانی وہاں ڈال دینا اور پھر اس جگہ مسجد تعمیر کرنا۔ ہم نے عرض کی، آج کل شدید گرمی ہے اور ہمارا علاقہ بہت دور ہے، یہ پانی تو سفر میں خشک ہوجائے گا۔ آپﷺ نے فرمایا، ''اس میں اور پانی ڈالتے رہنا، اس سے برکت میں کمی نہیں ہوگی''۔ (نسائی، مشکوٰۃ باب المساجد)

مزید چند احادیث اختصار کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

☆ حدیبیہ کے دن پانی کی قلت کے باعث لوگ پریشان تھے تو حضورﷺ نے برتن میں اپنی مبارک انگلیاں ڈال دیں اور ان سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ (بخاری کتاب الاشربہ)

☆ حدیبیہ کے قریب ایک جگہ لوگوں نے پیاس کی شکایت کی تو آپ نے اپنا تیر پانی کے گڑھے میں ڈالنے کا حکم دیا جس سے پانی جاری ہوگیا۔ (بخاری کتاب الشروط)

☆ برکت کے لیے آٹے اور سالن میں لعابِ دہن ڈال دیا تو کھانا ختم نہ ہوا۔ (بخاری کتاب المغازی)

☆ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے سست رفتار گھوڑے پر سوار ہوئے تو وہ تیز رفتار ہوگیا۔ (بخاری کتاب الجہاد والسیر)

☆ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی جوڑ دی۔ (بخاری کتاب المغازی)

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دکھتی آنکھوں میں لعابِ دہن لگا دیا، وہ شفا پا گئے۔ (بخاری کتاب المناقب)

☆ حج کے موقع پر آقا و مولیٰ ﷺ نے اپنے موئے مبارک صحابہ میں خود تقسیم کرائے۔ (مسلم کتاب الحج)

☆ سخت سردی میں لوگ خدمتِ اقدس میں پانی لاتے تو آپ اپنی مبارک انگلیاں برکت کے لیے پانی میں ڈبو دیتے۔ (مسلم باب قربہ من الناس)

معلوم ہوا کہ آقا و مولیٰ ﷺ کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے برکتوں والا بنایا ہے اور لوگوں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کا اختیار بھی عطا فرمایا ہے۔

آپ کا فرمانِ عالیشان ہے،

☆ ''بیشک اللہ تعالیٰ (نعمتیں) عطا فرماتا ہے اور میں (اسکی نعمتیں) تقسیم کرتا ہوں''۔ (مسلم، بخاری کتاب الجہاد والسیر)

بخاری و مسلم کی روایت کردہ ان احادیث سے بھی یہ ثابت ہوا کہ بزرگانِ دین اور صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنا اور حاجت روائی کے لیے ان سے توسل کرنا بالکل جائز ہے۔

صحابہ و اولیاء سے توسل:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانے سے متعلق حدیثِ بخاری اوپر بیان ہوئی۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہوکر فرمایا، ''اے لوگو! رسول کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور ﷺ کا سا طریقہ اپناؤ اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ''۔ (فتح الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۴۱۳)

کسی صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول و فعل پر اعتراض نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ غیر نبی کو وسیلہ بنانے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

☆ حضرت سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں جب قحط پڑا اور سب لوگ نماز استسقاء کے لیے جمع ہوئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابی حضرت یزید بن الاسود الجرشی رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا اور دعا کی ''اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں بہترین شخص یزید بن اسود کو وسیلہ بناتے ہیں، تو بارش برسادے''۔

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ اور سب لوگوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ اچانک بادل آ گئے اور اتنی موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگوں کا گھروں تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ (طبقاتِ ابن سعد ج ۷ ص ۴۴۴)

اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کو وسیلہ بنانا قرآن و سنت کو سب سے زیادہ سمجھنے والے یعنی صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ اس وقت کثیر تعداد میں صحابہ کرام اور تابعین عظام وہاں موجود تھے۔ اس سے بھی محبوبانِ خدا کا وسیلہ پیش کرنے پر صحابہ و تابعین کا اجماع ثابت ہوتا ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، محافظ فرشتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اور فرشتے بھی مقرر فرمائے ہیں۔ اگر درخت کا پتہ بھی گرے تو وہ لکھ لیتے ہیں۔ جب کسی شخص کو ویرانے یا جنگل میں کوئی تکلیف پہنچے تو اسے یوں پکارنا چاہیے،

اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ۔ ''اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو''۔

امام نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں''۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲)

☆ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے ''جب کسی کا جانور جنگل وغیرہ میں بھاگ جائے تو وہ پکارے، اے اللہ کے بندو! اسے روک لو، اے اللہ کے بندو! اسے پکڑ لو۔ بیشک اللہ کے کچھ بندے زمین پر موجود ہوتے ہیں جو اسے روک دیں گے''۔

محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''یہ حدیث حسن ہے، مسافروں کو اسکی بہت حاجت ہے اور مشائخ کرام سے مروی ہے کہ یہ آزمودہ ہے، اس سے حاجت روا ہوتی ہے''۔ (الحرز الثمین)

مذکورہ بالا دونوں حدیثیں مندرجہ ذیل ائمہ حدیث نے روایت کی ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۳۹۰، مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۱۲۳، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲، طبرانی کبیر ج ۱۰ ص ۲۱۷۔

ان احادیث میں بندگانِ خدا سے مدد مانگنے کی جو تعلیم دی گئی ہے وہ ندا کی شکل میں توسل ہی ہے۔

☆ غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے ''ابدال ملک شام میں ہونگے۔ وہ چالیس مرد ہیں جب ان میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر فرما دیتا ہے۔ انکی برکت سے بارشیں برستی ہیں، انکے ذریعے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ باب)

اس سے معلوم ہوا کہ ابدال جو کہ اولیاء اللہ کے ایک گروہ کے افراد ہیں، انکے وسیلے سے بارشیں برستی ہیں اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی برکت اور وسیلے سے اللہ تعالیٰ زمین والوں سے آفات و مصائب دور فرماتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء)

☆ سرکارِ دوعالم ﷺ نے گھر سے نماز کے لیے نکلتے ہوئے بعض کلمات کہنے والے کے لیے یہ بشارت دی کہ اس پر رحمتِ الٰہی نازل ہوتی ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ان کلمات کے آغاز میں یوں ہے،

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ عَلَیْكَ..........الخ

''اے اللہ! مانگنے والوں کا جو حق تیرے ذمہ کرم پر ہے، میں اسکے وسیلے سے تجھ سے مانگتا ہوں''۔ (ابن ماجہ باب المشی الی الصلوٰۃ)

اس حدیث کے تحت علماء فرماتے ہیں کہ ''بحق السائلین'' سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی اور غیر نبی جو بھی بارگاہِ الٰہی کے سائل ہیں ان سب کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ زندہ اور فوت شدہ دونوں سے توسل جائز ہے کیونکہ ''سائلین'' میں زندہ اور فوت شدہ دونوں شامل ہیں۔

وصال کے بعد توسل:

نبی کریم ﷺ نے اپنی چچی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی تدفین سے قبل ان کی قبر میں لیٹ کر یہ دعا فرمائی،

''اے اللہ! میری چچی کو بخش دے، انہیں ان کی دلیل سکھادے۔

وَوَسِّعْ عَلَیْهَا مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ۔

اور اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کے حق کے سبب انکی قبر کشادہ فرمادے، بیشک تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اس دعا سے معلوم ہوا کہ امام الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے اپنے اور انبیاء کرام کے حق کو وسیلہ بنایا جبکہ انبیاء کرام اس دنیا سے وصال فرما چکے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ محبوبانِ خدا کا وسیلہ جائز ہے خواہ انکی ظاہری زندگی میں ہو یا وصال کے بعد۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آقا کریم ﷺ نے دعا میں خود اپنا وسیلہ بھی پیش کیا نیز ان کی قبر میں لیٹ کر انہیں اپنے وجودِ مسعود کی برکت سے بھی فیضیاب کیا۔

اس حدیث شریف کو امام طبرانی نے کبیر اور اوسط میں جید سند کے ساتھ روایت کیا، حافظ ابن حبان اور امام حاکم نے اسے روایت کر کے صحیح قرار دیا۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، ابن عبدالبر، دیلمی اور ابونعیم نے بھی روایت کیا۔ امام نورالدین ہیثمی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ رحہم اللہ تعالیٰ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷)

اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جذب القلوب میں فرماتے ہیں، ''اس حدیث سے زندگی اور بعد وصال دونوں حالتوں میں وسیلہ اختیار کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ جب دیگر انبیاء کرام علیہم السلام سے بعد وصال توسل جائز ہے تو سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے توسل بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا بلکہ اس حدیث کی رُو سے اولیاء سے انکی وفات کے بعد وسیلہ چاہنے کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کیونکہ بعد وصال توسل کے لیے صرف انبیاء کرام کی تخصیص نہیں، اگر یہ انہی کی خصوصیت ہو تو پھر اسکی دلیل کہاں ہے؟''

اب ہم حضورِ اکرم ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد آپ کو وسیلہ بنانے کے متعلق ایک اہم حدیث بیان کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی ضرورت کے لیے بار بار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاتا لیکن وہ توجہ نہ فرماتے۔ اس شخص کی ملاقات حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس نے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، تم وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کرو پھر یہ دعا مانگو،

''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے جو رحمت والے نبی ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اس لیے متوجہ ہوا ہوں کہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ یا اللہ! حضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما''۔

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا تو دربان اس کا ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور اس کی حاجت پوچھی، اس نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا تو آپ نے اس کی ضرورت پوری کر دی اور فرمایا، جب بھی تمہیں کوئی حاجت پیش آئے میرے پاس آجانا۔ وہ شخص وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے، اگر آپ امیر المومنین سے میرے بارے میں بات نہ کرتے تو وہ کبھی میری طرف متوجہ نہ ہوتے اور میری حاجت پوری نہ کرتے۔

انہوں نے جواب میں فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے امیر المومنین سے کوئی گفتگو نہیں کی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک نابینا شخص خدمتِ اقدس میں آیا اور بینائی کے لیے دعا کی درخواست کی تو آقا و مولیٰ ﷺ نے اسے یہی طریقہ اور یہی دعا تعلیم فرمائی (جو کہ مذکور ہو چکی) اور خدا کی قسم ابھی ہم وہاں سے اٹھے بھی نہیں تھے کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس ایسے آیا کہ گویا وہ نابینا ہی نہ تھا۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(معجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۱۸۳، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹)

شارحین فرماتے ہیں کہ جب اس شخص نے یہ خیال ظاہر کیا کہ شاید اس کی حاجت کے سلسلے میں عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سے کوئی بات کی ہے تو صحابی رسول نے اسکے خیال کو غلط قرار دیتے ہوئے فوراً وہ حدیث بیان فرمائی جس میں انکے سامنے ایک نابینا صحابی کو آنکھیں مل گئی تھیں تا کہ اس پر یہ واضح ہو جائے کہ اسکی حاجت حضور ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنے، انکو پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کی وجہ سے پوری ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے وسیلے سے حاجت جلد پوری فرماتا ہے۔ الحمدللہ! اہلسنت کا عقیدہ بھی صحابہ کرام کے عقیدے کے عین مطابق ہے۔

بعض کم فہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل والی حدیث کے حوالے سے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا وسیلہ اس لیے اختیار نہ کیا کہ وہ وصال فرما چکے تھے لہٰذا وصال کے بعد کسی سے توسل جائز نہیں''۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی اور صحابی کو وسیلہ کیوں نہ بنایا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہی وسیلہ کیوں بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے، کیونکہ آپ نبی کریم ﷺ کے چچا ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بطور وسیلہ دعا میں ذکر نہ کیا بلکہ فرمایا، ''ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں''۔ ثابت ہوا کہ وسیلہ بظاہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں اور در حقیقت یہ وسیلہ حبیبِ کبریا ﷺ ہی کا وسیلہ ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں، ''جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنایا گیا تو آپ نے یہ دعا کی، ''اے اللہ! مصیبت گناہوں کے باعث نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی سے دور ہوتی ہے۔ یہ لوگ میرے وسیلے سے اس لیے تیری بارگاہ میں متوجہ ہوئے ہیں کیونکہ میرا تیرے نبی سے قریبی تعلق ہے''۔ پھر یہ دعا فرمائی، ''اے اللہ! اپنے نبی کے چچا کی لاج رکھ لے''۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۳۲)

علامہ سید محمد علوی مکی مدظلہ العالی لکھتے ہیں، ''جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کلام کا یہ مطلب نکالے کہ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پیش کیا اور حضور ﷺ سے توسل نہیں کیا کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ زندہ تھے اور حضور ﷺ کا وصال ہو چکا تھا، اُس شخص کی عقل مر چکی ہے، اس پر وہم غالب آ چکا ہے اور اس نے اپنے بارے میں کوئی اچھا تاثر نہیں دیا، وہ سخت تعصب میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو صرف اسی لیے وسیلہ بنایا کہ انہیں نبی کریم ﷺ سے قرب حاصل ہے۔ چنانچہ ان کا یہ فرمانا، وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا ۔ ''ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں تو بارش عطا فرما''۔ اس دعا میں بہتر طور پر نبی کریم ﷺ سے توسل کیا گیا ہے۔

وہ شخص بڑا نا انصاف اور خطا کار ہے جو توسل کی وجہ سے مسلمانوں کو مشرک قرار دیتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ زندہ شخص سے توسل جائز ہے، کیونکہ اگر توسل شرک ہوتا تو زندہ اور فوت شدہ کسی سے بھی جائز نہ ہوتا۔ کیا ایسا شخص یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی یا فرشتے یا ولی کو رب ماننا یا اسے عبادت کا مستحق سمجھنا کفر و شرک ہے اور یہ نہ اسکی زندگی میں جائز ہے نہ وصال کے بعد۔ کیا تم نے کسی کو یہ کہتے سنا ہے کہ غیر خدا کو اسکی زندگی میں رب ماننا جائز ہے اور اسکی وفات کے بعد شرک ہے؟

پس دلائل سے واضح ہو گیا کہ کسی محترم و معظم ہستی کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانا اسکی عبادت نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ اسے رب سمجھ کر وسیلہ بنائے جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے تو یہ شرک ہے۔ اور اگر کوئی شخص کسی معظم ہستی کو رب کا محبوب سمجھتے ہوئے حکمِ الٰہی کے مطابق اسے وسیلہ بنائے تو یہ توسل اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت قرار پائے گا''۔ (مفاهیم یجب ان تصحح)

روضۂ اقدس سے توسل:

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا اور روضہ اطہر پر حاضر ہو کر اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا اور یوں عرض کرنے لگا، یارسول اللہ ﷺ! آپ نے جو اللہ کا کلام ہمیں پہنچایا اس میں یہ آیت بھی ہے، (پھر اس نے سورہ نساء کی آیت ۶۴ تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے)، ''اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ! تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی انکی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں''۔

پھر اس نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے یعنی گناہ کیے ہیں، اب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ میری مغفرت فرمائیں۔ روضہ اقدس سے آواز آئی، قد غفر لک۔ اے اعرابی! تجھے بخش دیا گیا۔

(تفسیر قرطبی ج۵ص ۲۶۵، تفسیر مدارک التنزیل، جذب القلوب)

☆ عباسی خلیفہ منصور جب روضہ اقدس پر حاضر ہوا تو امام مالک رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ خلیفہ نے ان سے دریافت کیا، میں قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کروں یا رسول کریم ﷺ کی جانب؟ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ''تم اپنا چہرہ رحمتِ عالم ﷺ سے کیوں پھیرتے ہو حالانکہ آقا و مولی ﷺ ہی بارگاہِ الٰہی میں تمہارا اور تمہارے والد آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں اس لیے تم حضور ﷺ ہی کی طرف رُخ کر کے آپ سے شفاعت کی درخواست کرو، اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا''۔ (کتاب الشفاء ج۲ص ۳۳)

☆ صحابہ کرام نے حاجت روائی کے لیے آقا و مولی ﷺ کے روضہ اقدس سے توسل کیا۔ حضرت ابوالجوزاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک بار اہلِ مدینہ کو سخت قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب قحط سے نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو صحابہ کرام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، روضہ اقدس کی چھت میں سوراخ کر دو تا کہ روضہ انور اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو زبردست بارش ہوئی یہانتک کہ ہر طرف سبزہ اُگ آیا اور چارہ کھا کھا کر جانور موٹے ہوگئے اور انکے جسم چربی سے بھر گئے اسلیے اس سال کا نام ''عام الفتق''، یعنی خوشحالی وفراوانی کا سال پڑ گیا۔

(سنن دارمی ج ۱ص ۴۳، مشکوٰۃ باب الکرامات)

اس حدیث کی شرح میں محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''قحط سالی کے وقت جب بھی آقا کریم ﷺ سے شفاعت طلب کی جاتی تو بارش ہو جاتی۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے طلبِ شفاعت اور توسل میں مبالغہ اور شدت پیدا کرنے کے لیے روضہ اقدس کی چھت میں سوراخ کرنے کا حکم دیا تا کہ رحمتِ عالم ﷺ اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے''۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوگئے تو ایک شخص نے رسول معظم ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمایئے کیونکہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ آقائے دوجہاں ﷺ نے اس شخص کو خواب میں حکم دیا، ''عمر کے پاس جاؤ، انہیں میرا سلام کہو اور بتادو کہ لوگ جلد بارش سے سیراب کیے جائیں گے اور ان سے یہ بھی کہو کہ احتیاط کا دامن تھامے رکھیں''۔

وہ شخص امیر المومنین کی خدمت میں پہنچا اور انہیں آقا کریم ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی، ''اے اللہ! میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا ہاں جس سے میں عاجز ہوں اسے معاف فرما دینا''۔ (الاستیعاب ج۲ص ۴۶۴، البدایہ والنہایہ ج۷ص ۹۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۲ص ۳۱)

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند کو صحیح فرمایا ہے۔

(فتح الباری ج۲ص ۳۹۸)

احادیث مبارکہ کے بعد علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے ایک ایمان فروز واقعہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ غرناطہ کا ایک شخص شدید بیمار ہو گیا۔ طبیب علاج سے عاجز ہوگئے اور اسے صحت کی کوئی امید نہ رہی تو اس مریض کی طرف سے ابن ابی خصال نے ایک خط رسول کریم ﷺ کی طرف لکھا جس میں بیماری سے شفا کی درخواست کی گئی اور کچھ اشعار بھی تحریر کیے۔ ان میں سے پہلے شعر کا ترجمہ یہ ہے،

''بیماری سے عاجز موت کے قریب پہنچے ہوئے ایک شخص کا خط جو رسولُ اللہ، احمدِ مجتبیٰ ﷺ کے روضۂ مبارک کی طرف شفا طلب کرنے کے لیے لکھا گیا''۔ جب وہ خط رحمتِ عالم ﷺ کے روضۂ اقدس پر پہنچا اور اسکا یہ پہلا شعر ہی پڑھا گیا تو وہ مریض غرناطہ میں صحت یاب ہو گیا۔ (جواہر البحار ج۴ ص ۴۴)

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

ندائے یارسول اللہ ﷺ:

صحابہ کرام اور صالحین حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے روضۂ اقدس سے توسل کرتے اور آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر فریاد کیا کرتے اور جو دوری کے باعث حاضر نہ ہو سکتے وہ دور ہی سے آقا کریم ﷺ کو ندا کر کے رحمت طلب کیا کرتے، صالحین کا آج تک یہی معمول چلا آ رہا ہے۔

''وصال کے بعد توسل'' کے تحت وہ معروف حدیث بیان ہوئی جس میں خلافتِ عثمانی میں ایک شخص کو (جو صحابی یا تابعی تھے)، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے دعائے حاجت سکھائی جس سے ان کی حاجت پوری ہو گئی۔ اس دعائے حاجت میں ''یارسول اللہ ﷺ'' پکارنے کی تعلیم دی گئی ہے جبکہ یہ دعا خود سرکارِ دو عالم ﷺ نے سکھائی تھی۔ گویا ''ندائے یارسول اللہ ﷺ'' آقا و مولیٰ ﷺ کے حکم کی تعمیل اور صحابہ کرام کی سنت ہے۔

مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''انوار الانتباہ فی حل نداءِ یارسول اللہ ﷺ'' میں جو دلائل تحریر کیے ہیں ان کا خلاصہ پیش کیے دیتا ہوں۔

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا۔ کسی نے کہا، انہیں یاد کیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ انہوں نے با آوازِ بلند کہا، یا محمداہ ﷺ۔ تو ان کا پاؤں فوراً صحیح ہو گیا۔ (الادب المفرد ص ۲۵۰)

اس کی شرح میں محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بلند آواز سے ندا کی، اس سے انکا مقصد یہ تھا کہ محبوب سے محبت بھی ظاہر کی جائے اور ان سے مدد کی التجا بھی ہو جائے''۔ (شرح شفا)

☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، شارح مسلم فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی محفل میں کسی آدمی کا پاؤں سو گیا تو آپ نے اسے فرمایا، اس کو یاد کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اس نے کہا، یا محمداہ ﷺ! اسی وقت اس کا پاؤں اچھا ہو گیا۔ (کتاب الاذکار ص ۱۳۵)

☆ علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور حضرات سے بھی ایسا ہی مروی ہے بلکہ اہلِ مدینہ میں ایسا کہنے یعنی یا محمداہ ﷺ پکارنے کا رواج عام تھا''۔

(نسیم الریاض شرح شفاءِ قاضی عیاض ج ۳ ص ۳۵۵)

☆ دورِ فاروقی ۱۸ھ میں شدید قحط پڑا۔ انہی ایام میں جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں کے بیحد اصرار پر ایک بکری ذبح کی۔ جب کھال اتاری تو اندر گوشت کا نام و نشان نہ تھا صرف سرخ ہڈیاں نکلیں۔ یہ دیکھ کر بے بسی کے عالم میں بے ساختہ پکار اٹھے، یا محمداہ! یا رسول اللہ ﷺ! کرم فرمایئے۔ رات کو خواب میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور زندگی کی بشارت دی۔

(تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۲۴، تاریخ کامل لابن اثیر ج ۲ ص ۵۵۶، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۱)

☆ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ہمراہ جب مسیلمہ کذاب کے لشکر سے برسرِ پیکار تھے، نہایت گھمسان کا معرکہ تھا، اسوقت سب مسلمانوں کی زبان پر یہ ندا تھی، یا محمداہ یا محمداہ ﷺ! یارسول اللہ ﷺ! مدد فرمایئے۔ یارسول اللہ ﷺ! مدد فرمایئے۔ پھر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۲۴، تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۵۲، تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۰)

☆ حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ جب شام کے شہر حلب کی فتح کے لیے لڑ رہے تھے اور دشمن کے ساتھ سخت مقابلہ ہو رہا تھا تو آپ کی زبان پر یہ ندا تھی، یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل۔ یارسول اللہ ﷺ! کرم فرمایئے، اے اللہ کی مدد نازل ہو۔ تھوڑی دیر بعد مسلمانوں کو دشمن پر فتح حاصل ہوئی۔

(فتوح الشام ج ا ص ۱۹۲)

خیال رہے کہ یہ جنگ اسوقت ہوئی جب حضورِ اکرم ﷺ کا وصال ہو چکا تھا۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی صحابہ کرام مشکل وقت میں ''ندائے یارسول اللہ ﷺ'' کے ذریعے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ سے توسل کرتے تھے۔

☆ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے عیون الحکایات میں تین اولیاء کرام کا عظیم الشان واقعہ اپنی سند سے بیان کیا ہے جو ملک شام کے رہنے والے تھے اور سگے بھائی تھے۔ وہ ہمیشہ راہِ خدا میں جہاد کیا کرتے۔ ایک بار روم کے عیسائیوں نے انہیں قید کرلیا۔ عیسائی بادشاہ نے کہا، میں تمہیں سلطنت دوں گا اور اپنی بیٹیاں تمہیں بیاہ دوں گا مگر تم عیسائی ہو جاؤ۔ یہ نہ مانے اور ندا کی، یا محمداہ ﷺ! یارسول اللہ ﷺ کرم فرمایئے۔

بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کراکے دو بھائیوں کو اس میں ڈال دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ تیسرے کو اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا فرما کر بچالیا۔ وہ دونوں بھائی چھ ماہ بعد فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیداری میں تیسرے بھائی کے پاس آئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری شادی میں شرکت کے لیے بھیجا ہے۔ اس نے ان کا حال پوچھا تو فرمایا، ''بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا، اسکے بعد ہم جنت الفردوس میں تھے''۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ واقعہ شرح الصدور میں بیان کیا اور فرمایا، یہ حضرات زمانہ سلف میں ملک شام میں معروف تھے اور یہ واقعہ بھی مشہور تھا۔ (ملخصاً)

اس واقعہ کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''اگر مصیبت میں یارسول اللہ ﷺ کہنا شرک ہے تو مشرک کی مغفرت وشہادت کیسی؟ اور جنت الفردوس میں جگہ ملنے کے کیا معنی ہیں؟ پھر انکی شادی میں فرشتوں کو بھیجنا کیونکر معقول ہوسکتا ہے نیز ائمہ دین نے اس روایت کو کیونکر قبول کیا اور انکی شہادت وولایت کو کس وجہ سے بیان کیا۔ یہ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے کا واقعہ ہے لہٰذا یہ تینوں شہداء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اگر تابعی نہ تھے تو تبع تابعی ضرور تھے''۔ (انوار الانتباہ)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، آقا کریم ﷺ کی بارگاہ میں یوں استغاثہ کرتے ہیں،

اَنَا طَامِعٌ'' بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ

لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ

''یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں کیونکہ آپ کے سوا تمام مخلوق میں ابوحنیفہ کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے''۔ (مجموعۃ القصائد ص ۴۲)

شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ یوں فریاد کرتے ہیں،

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِه

سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

''اے بہترین مخلوق ﷺ! آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ آفت و مصیبت کے وقت میں جس کی پناہ لوں، اس لیے کرم فرمایئے''۔ (قصیدہ بُردہ شریف)

ان دلائل سے واضح ہوگیا کہ یارسول اللہ ﷺ پکارنا صحابہ کرام اور تابعین سے لیکر آج تک ساری امت کا معمول رہا ہے۔ بعض لوگ حرف ''یا'' کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو پکارنے کو شرک گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یا'' کہہ کر اسے پکارا جائے جو حاضر ہو اور سنتا ہو۔ حضور اکرم ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے سے متعلق ہم آئندہ صفحات میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔ فی الحال یہ سمجھ لیجیے کہ اگر حضور ﷺ کو حرف ''یا'' کے ساتھ مخاطب کرنا شرک ہو تو پھر سارے نمازی مشرک قرار پائیں گے (معاذ اللہ) جو ہر نماز میں ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ'' پڑھتے ہیں جس میں نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے سلام عرض کیا جاتا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ جب السلام علیک ایھا النبی (اے نبی آپ پر سلام ہو) نماز میں پڑھنا واجب ہے تو نماز کے باہر ہرگز شرک نہیں ہوسکتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''یہ خطاب اسلیے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ موجودات کے ذرے ذرے میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ پس نورِ کبریا ﷺ ہر نمازی کی ذات میں موجود وحاضر ہیں۔ نمازیوں کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہیں''۔ (اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ)

یہی مفہوم مندرجہ ذیل ائمہ دین نے بھی بیان کیا ہے۔

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ)......عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۶ ص ۱۱۱

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ)......فتح الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۲۵۰

امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۰۵ھ)......احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۰۷

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۳ھ)......کتاب المیزان ص ۱۴۵

امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ)......مواہب الدنیہ ج ۲ ص ۳۲۰

اب آخر میں معترضین کے دو اکابر کے ندائیہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند، مولوی قاسم نانوتوی آقا و مولیٰ ﷺ کو یوں مدد کے لیے پکارتے ہیں،

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا　　نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامی کار

(قصائد قاسمی ص ۶)

دیوبند کے پیشوا مولوی اشرفعلی تھانوی بھی بارگاہِ نبوی میں یوں فریاد کرتے ہیں،

دستگیری کیجئے میرے نبی　　کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ　　فوجِ کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

ابن عبداللہ ! زمانہ ہے خلاف　　اے مرے مولا ! خبر لیجئے مری

(نشر الطیب ص ۱۸۶ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

☆☆☆☆

باب پنجم: حیات النبی ﷺ

حیاتِ انبیاءِ کرام:

تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔ وہ کھاتے پیتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں آتے جاتے ہیں اور تصرف فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان پر ایک آن کے لیے موت طاری ہوئی اور پھر وہ زندہ کردیے گئے۔ اس بارے میں کسی کو اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام..... تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ جب قرآن کریم نے شہداء کو زندہ قرار دیا ہے تو انبیاء کرام یقیناً زندہ ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ،

''اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں۔'' (آلِ عمران: ۱۶۹، کنزالایمان)

اس آیت کے حوالے سے علامہ جلال الدین سیوطی...... (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں ''تمام انبیاء کرام...... نبوت کے ساتھ وصف شہادت کے بھی جامع ہیں اسلیے وہ اس آیت کے عموم میں ضرور داخل ہونگے۔ (انباء الاذکیاء ص ۱۴۸)

نبی کریم ﷺ کے لیے خصوصیت کے ساتھ وصف شہادت بھی ثابت ہے۔ اسکی ایک دلیل حضرت عائشہ...... کی گواہی ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ ''حضور ﷺ مرضِ وصال میں فرماتے تھے کہ میں ہمیشہ اس زہرآلود کھانے کی تکلیف محسوس کرتا رہا جو مجھے خیبر میں کھلایا تھا۔ یہ وہ وقت ہے کہ اُس زہر کے اثر سے میری رگ جاں منقطع ہونے کو ہے''۔ (انباء الاذکیاء بحیات الانبیاء ص ۱۴۹ بحوالہ بخاری و بیہقی)

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ خیبر میں حضور اکرم ﷺ کو جو زہرآلودہ کھانا دیا گیا تھا آپ کے وصال کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کا اثر ظاہر فرمادیا تا کہ آپ کو ظاہری شہادت کا مرتبہ بھی حاصل ہو جائے۔ (اشعۃ اللمعات، شفاء السقام ص ۲۳۷)

پس اس سے آقا و مولیٰ ﷺ کا شہید ہونا ثابت ہوا، اور شہید کی معنوی و روحانی حیات قرآن سے ثابت ہے جبکہ انبیاء کرام اور سید الانبیاء ﷺ کی زندگی تو شہدا کی زندگی سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ انکی موت فی سبیل اللہ ہے تو جن کی موت بھی فی سبیل اللہ ہو اور جن کی ساری حیات بھی فی سبیل اللہ ہو وہ کیونکر زندہ نہ ہونگے۔ یقیناً انبیاء کرام کو شہداء سے اعلیٰ و ارفع زندگی حاصل ہوتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی...... (م: ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں،

''انبیاء کرام کے وصال کے بعد ان کی حیات پر سب کا اتفاق ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء کرام کی زندگی، حیاتِ جسمانی حقیقی کے ساتھ ہے۔ انکی حیات معنوی و روحانی نہیں جیسی کہ شہداء کی ہے''۔

(اشعۃ اللمعات جلد اوّل کتاب الصلوٰۃ)

آقا و مولیٰ ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد آپ ﷺ کی حیات کو ایک اور عنوان سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ ہے ''حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا'' یہ عنوان دراصل حیات النبی ﷺ اور علم غیب سے متعلق عقیدہ ہی کی تشریح ہے۔

آقائے دو جہاں ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روحِ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت کائنات کے ہر ذرے میں جاری و ساری ہے جس کی بناپر جانِ کائنات ﷺ تمام کائنات کو اپنی مبارک ہتھیلی کی طرح ملاحظہ فرمارہے ہیں، دور و نزدیک کی آوازیں یکساں سنتے ہیں اور اپنے جسم اقدس اور روحانیت و نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوسکتے ہیں۔

عقیدہ حاضر و ناظر قرآن کی روشنی میں:

☆ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا ''یہ نبی مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ انکے قریب ہے''۔ (الاحزاب: ۶)

یہاں اَولیٰ سے مراد اَقرب (زیادہ قریب) ہو یا اَملک (زیادہ مالک) ہو یا اَولیٰ بالتصرف (مومنوں کی جانوں میں تصرف کرنے کے زیادہ مستحق)، ان سب صورتوں میں نبی کریم ﷺ کی حیات ثابت ہوتی ہے۔

☆ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''۔ (الانبیاء: ۱۰۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آقا و مولیٰ ﷺ ہر وقت اور ہر لمحہ ساری کائنات کے لیے رحمت ہیں اور رحمت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ سارے جہان والوں کے لیے حاظر و ناظر ہوں، لوگوں کے احوال سے باخبر ہوں، انکی پکار سنتے ہوں اور انکی مشکل کشائی و حاجت روائی پر بھی قدرت و اختیار رکھتے ہوں۔

باب ششم: حیاتِ شہداء و مومنین

حیاتِ برزخی:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے''۔ (الانبیاء: ۳۵)

موت کے متعلق امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''علماء کا ارشاد ہے کہ موت مکمل طور پر فنا اور نیست و نابود ہو جانے کا نام نہیں بلکہ موت کا مطلب یہ ہے کہ بدن اور روح کا باہمی تعلق منقطع ہو جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ گویا موت ایک گھر یعنی دنیا کو چھوڑ کر دوسرے گھر یعنی آخرت کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے''۔ (شرح الصدور ص ۱۷)

اسی طرح حیات کی تعریف قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ہے، ''حیات، اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے اور ایسی صفت ہے جس کے ساتھ علم، قدرت، ارادہ وغیرہ تمام صفاتِ کمالیہ وابستہ ہیں''۔ (تفسیر مظہری پ ۲۹ ص ۱۸)

تفسیر جلالین میں ہے، ''حیات وہ شے ہے جس سے احساس و ادراک حاصل ہوتا ہے''۔ معلوم ہوا کہ حیات کے لیے روح کا ہونا ضروری نہیں۔ بخاری شریف میں ستون حنانہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی جدائی میں کھجور کا تنا دردناک آواز سے رویا یہاں تک کہ آقا کریم ﷺ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر تسلی دی۔ اسی طرح آقا و مولیٰ ﷺ کی خدمت میں شجر و حجر کا سلام عرض کرنا، درختوں کا زمین پر چلنا، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، اُحد پہاڑ کا حرکت کرنا اور پھر آپکے حکم پر ساکن ہو جانا وغیرہ کتب حدیث میں بیان ہوا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بغیر روح کے بھی جسم میں حیات ممکن ہے۔

اس بنا پر علماء و محققین نے موت و حیات کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ موت و حیاتِ عادی: جسم کے اندر روح کا موجود ہونا حیاتِ عادی ہے اور روح کا نکل جانا موتِ عادی ہے۔

۲۔ موت و حیاتِ حقیقی: جسم میں علم و ادراک اور قدرت و احساس کا پایا جانا حیاتِ حقیقی ہے اور اِن صفات کا نہ پایا جانا موتِ حقیقی ہے۔

اب مذکورہ آیت کریمہ کا مفہوم یہی واضح ہوا کہ ہر جان کو موتِ عادی آئے گی یعنی اسکی روح کا تعلق اسکے جسم سے ضرور منقطع ہوگا البتہ حیاتِ حقیقی باقی رہے گی کیونکہ اسی حیاتِ حقیقی کی وجہ سے میت کو قبر میں نعمت یا عذاب کا احساس ہوگا۔ یہی برزخی حیات ہے۔ کثیر احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ مردہ خواہ مومن ہو یا کافر، سنتا ہے، احساس رکھتا ہے اور پہچانتا بھی ہے۔ چند احادیث پیشِ خدمت ہیں:

☆ غزوہ بدر میں جب کفار کو شکست ہوئی تو انکی لاشوں کو بدر کے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ آقا و مولیٰ ﷺ کنوئیں کے پاس تشریف لائے اور کافروں کا نام لے کر فرمایا، کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پا لیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ ایسے جسموں سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا، ''تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو مگر یہ کہ یہ مجھے جواب نہیں دے سکتے''۔ (بخاری و مسلم)

ثابت ہوا کہ کافر مردے بھی سنتے ہیں۔ پس جب کافر مردے بھی سماع اور ادراک و شعور رکھتے ہیں تو پھر مسلمان خصوصاً اولیاءِ عظام اور انبیاءِ کرام علیہم السلام بعد وصال کیونکر سماع اور ادراک و شعور سے محروم ہو سکتے ہیں؟

☆ غیب بتانے والے آقا کریم ﷺ نے فرمایا، ''جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اسکے دوست احباب اسے دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں تو وہ انکے جوتوں کی آواز سنتا ہے''۔ (بخاری و مسلم)

☆ حضورِ اکرم ﷺ نے ایک شخص کو قبر سے ٹیک لگا کر بیٹھے دیکھا تو فرمایا، ''اے شخص! اس قبر والے کو تکلیف نہ دے''۔ (مسند احمد، مشکوۃ)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ''جب میں اپنے حجرہ مبارکہ میں آتی جہاں حضور ﷺ آرام فرما ہیں تو اپنی چادر اتار کر رکھ دیتی اور کہتی کہ یہاں میرے شوہر اور میرے والد آرام فرما ہیں، ان سے پردہ کی حاجت نہیں۔ لیکن جب سے وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن کیے گئے تو خدا کی قسم! میں ان سے حیا کے باعث اپنی چادر اچھی طرح لپیٹ کر حجرہ میں آتی ہوں''۔ (مستدرک للحاکم، مسند احمد)

اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ عقیدہ نہ ہوتا کہ وہ مقدس نفوس اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور زیارت کرنے والے کو دیکھتے بھی ہیں تو وہ ایسا اہتمام نہ کرتیں۔

دیوبندی عالم مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں،

''میں کہتا ہوں کہ سماعِ موتی یعنی مردوں کے سننے کے ثبوت کے لیے اتنی زیادہ احادیث ہیں جو درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ ''جب کوئی شخص مردے کو سلام کرتا ہے تو وہ اسکا جواب دیتا ہے اور اگر وہ اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اسے پہچان لیتا ہے''۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۷)

سماعِ موتی پر اعتراض کا جواب:

بعض لوگ سماعِ موتی کے انکار پر مندرجہ ذیل آیات بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ''پس آپ مردوں کو نہیں سناتے اور نہ بہروں کو اپنی پکار سناتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں اور نہ آپ اندھوں کو انکی گمراہی سے ہدایت پر لا سکتے ہیں۔ آپ تو اسی کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے، پس وہ مسلمان ہیں''۔ (الروم:۵۲،۵۳)

۲۔ ''اور برابر نہیں زندہ اور مردے، بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے، اور آپ نہیں سنانے والے انہیں جو قبروں میں پڑے ہیں۔ آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں''۔ (فاطر:۲۲،۲۳)

مذکورہ آیات پر ذرا سا غور وفکر کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان سے سماعِ موتی کی نفی نہیں ہوتی بلکہ کافروں کے حق بات سننے کی نفی ہوتی ہے۔ اول الذکر آیات میں مردوں کے مقابل زندوں کا ذکر کیا جانا چاہیے تھا یعنی یہ کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے البتہ زندوں کو سنا سکتے ہیں جبکہ رب تعالٰی نے مردوں کے مقابل مومنوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالٰی ہوا، ''آپ تو اسی کو سناتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے''۔ ثابت ہوا کہ آپ ان کو نہیں سناتے جو آیاتِ الٰہی پر ایمان نہیں لاتے یعنی کافر ہیں۔

اسی طرح پہلی آیت پر غور فرمایئے، ارشاد ہوا، ''آپ نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جو پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں''۔ کیا بہرے اگر پیٹھ نہ پھیریں تو کوئی انہیں اپنی پکار سنا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہاں حقیقی بہرے نہیں بلکہ حق نہ سننے والے کافر مراد ہیں۔ یونہی یہاں اندھوں سے مراد حق نہ دیکھنے والے کافر ہیں۔

اب مؤخر الذکر آیات پر غور کیجیے۔ ارشاد ہوا، ''آپ نہیں سنانے والے اُنہیں جو قبروں میں پڑے ہیں۔ آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں''۔ سوال یہ ہے کہ آپ کن لوگوں کو ڈر سنانے والے ہیں؟ قرآن کریم سے پوچھیے وہ بہترین راہنما ہے۔ ارشاد ہوا، ''میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں، انہیں جو ایمان والے ہیں''۔ (الاعراف:۱۸۸)

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ مومنوں کے لیے بشیر ونذیر ہیں اور جو کفر پر اڑے ہوئے ہیں انکے لیے بشیر ونذیر نہیں۔ اگر قبر والوں سے حقیقی مردے مراد لیے جائیں تو لازم آئے گا کہ ایمان والے ''من فی القبور'' نہ بن سکیں یا معاذ اللہ قبروں میں جانے کے بعد وہ مومن نہ رہیں جو کہ محال ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ قبر والوں سے زندہ کافر مراد ہیں، حقیقی اہلِ قبور نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ آیات میں مردوں سے مراد کفار ہیں۔ جن کے دل مردہ ہو چکے ہیں، جن کی آنکھیں حق دیکھنے سے اندھی ہو چکی ہیں اور انہوں نے نصیحت ماننے سے اپنے آپ کو بہرہ بنا رکھا ہے۔ تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر مدارک، تفسیر جلالین، تفسیر کبیر، تفسیر خازن، تفسیر روح المعانی اور تفسیر روح البیان میں ان آیات کا یہی مفہوم بیان ہوا ہے۔

مومن ارواح کی شان:

دینِ اسلام میں اہلِ قبور کی زیارت اور انہیں سلام کرنا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ سلام کے الفاظ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْر'' (اے قبر والو! تم پر سلام ہو) اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ مخاطبین یعنی قبر والے اس سلام کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ اگر مردے نہ سنتے تو انہیں

صیغہ ندا کے ساتھ سلام کرنا بے دین لوگوں کے لیے اعتراضات کا موجب بن جاتا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، ''تمہارے اعمال تمہارے مرحوم قریبی رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر اعمال اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور برے ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں، الٰہی! انہیں نیکی کی ہدایت دے''۔ (تفسیر ابن کثیر)

☆ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''مرنے والا اپنے اہل وعیال کے حالات سے خبردار رہتا ہے۔ اسے انکے غسل دینے اور کفنانے کی بھی خبر رہتی ہے اور وہ انہیں دیکھتا ہے''۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ''مردہ اپنی اولاد کی نیکیوں سے قبر میں خوش ہوتا ہے''۔

☆ فضل بن موفق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں کثرت سے اپنے والد کی قبر پر جایا کرتا تھا۔ ایک دن مصروفیت کے باعث نہیں جاسکا۔ رات کو خواب میں والد صاحب کو دیکھا۔ وہ پوچھ رہے تھے، تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ میں نے پوچھا، کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے؟ وہ بولے، ہاں خدا کی قسم! جب تم میرے پاس آتے ہو مجھے خبر ہوجاتی ہے اور جب تم اٹھ کر واپس جاتے ہو تو میں تمہیں مسلسل دیکھتا رہتا ہوں''۔

ایسے واقعات واقوال کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں،

''قدیم زمانے سے اب تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ قبر میں میت کو تلقین کی جاتی ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مردہ سنتا ہے اور اسے تلقین سے فائدہ پہنچتا ہے ورنہ تلقین بیکار ہوجاتی''۔ (کتاب الروح ص ۴۹)

وہ مزید لکھتے ہیں، ''روحوں کی دو قسمیں ہیں، سجین والی اور علیین والی۔ سجین والی روحیں تو عذاب میں مبتلا ہیں، انہیں ملنے جلنے کی فرصت کہاں۔ لیکن جو راحت وآرام والی اور آزاد روحیں ہیں وہ آپس میں ملتی جلتی ہیں اور دنیا میں ان پر جو واقعات گزرے اور جو بعد والوں کو پیش آئے ان پر گفتگو کرتی ہیں''۔ (ایضاً ص ۵۶)

وہ روحوں کی ملاقات کے متعلق لکھتے ہیں، ''صریح حدیثوں سے بھی روحوں کی باہمی ملاقات ثابت ہے۔ حضرت بشر بن معرور رضی اللہ عنہ کی وفات سے اُمّ بشر رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ ہوا۔ انہوں نے بارگاہ نبوی میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کیا مردے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو میں اپنے خاندان کے کسی مرنے والے کے ذریعے بشر کو سلام بھیج دوں؟ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، ہاں اُمّ بشر! اللہ تعالیٰ کی قسم! مردے ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے درختوں پر پرندے پہچان لیے جاتے ہیں۔ پھر انکے خاندان کا جو بھی شخص مرتا، اسے کہتیں، بشر سے میرا سلام کہنا۔ (ایضاً ص ۵۹)

فقہ حنفی کی معتبر کتاب درِّ مختار میں ہے، ''میت کو اچھا کفن دیا جائے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ ''اپنے مردوں کو اچھا کفن دو، وہ ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اپنے اچھے کفن پر فخر کرتے ہیں''۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، زیارت کرنا تو روح کا فعل ہے تو اسے کفن پر فخر کیونکر ہوسکتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ زیارت اگرچہ روح کا فعل ہے لیکن روح کا جسم کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے۔ (ردالمختار ج ۱ ص ۶۳۷)

روح کے جسم کے ساتھ تعلق قائم رہنے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ صالح بن عبید رضی اللہ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہتے ہیں، مجھے میری قبر سے نکالو کیونکہ پانی آجانے کے باعث میں تکلیف میں ہوں۔ انہوں نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ جب لوگوں نے انکی قبر دیکھی تو واقعی اس میں پانی آچکا تھا۔ اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ انہیں انکی قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کردو۔ (طحطاوی ص ۳۷۲)

بعض کم فہم لوگوں کا یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ ارواح جب علیین میں ہوں تو پھر قبر پر سلام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسکے جواب میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''ارواح جہاں بھی ہوں انکا تعلق انکے جسموں کے ساتھ باقی رہتا ہے اسی لیے وہ زیارت کرنے والوں اور عزیز و اقارب اور دوست احباب جو قبر پر آتے ہیں ان پر مطلع ہوتی ہیں اور ان سے آرام وسکون حاصل کرتی ہیں کیونکہ روح کے لیے مکان کے لحاظ سے دور ونزدیک ہونا علم وادراک میں رکاوٹ نہیں بن سکتا''۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۱۰۰)

''ارواح کو اجسام پر قیاس نہیں کرنا چاہیے لہٰذا روحیں جنت میں ہونے کے باوجود آسمان پر بھی ہیں، قبر کے پاس بھی اور قبر میں مدفون بدن میں بھی۔ روحیں اترنے چڑھنے میں نہایت تیز رفتار ہیں''۔ (کتاب الروح ص ۱۹۷)

یعنی روح کے لیے یہ دوری اور فاصلے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ وہ ایک لمحہ میں کئی جگہ جلوہ گر ہوسکتی ہیں۔ چونکہ ساری روحیں یکساں نہیں اسلیے انکے مراتب بھی جدا جدا ہیں اور انکے تصرف وقدرت کی کیفیت بھی مختلف ہے۔

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا، ''مومنوں کی ارواح علیین میں ہیں اور کافروں کی سجین میں۔ اور ہر روح کا اپنے جسم سے ایک تعلق ہے جو دنیاوی تعلق سے مختلف ہے جیسے سونے والے شخص کے جسم سے اسکی روح کا تعلق قائم رہتا ہے، صاحبِ قبر سے اسکی روح کا تعلق اس سے بھی زیادہ قوی ہے''۔

(شرح الصدور ص ۲۲۴)

حیاتِ شہداء:

اگرچہ احادیث مبارکہ سے کافر و مسلمان کے لیے بعد انتقال، ادراک واحساس اور سماع ثابت ہے جسے برزخی حیات بھی کہا گیا لیکن اس مسئلے میں بھی کافر و مومن ہرگز برابر نہیں ہیں۔ وہ شخص جو حیاتِ برزخی میں عذابِ الٰہی میں مبتلا ہے وہ اسکی مثل کیونکر ہوسکتا ہے جو راحت وامن میں ہے۔ معلوم ہوا کہ وفات یافتہ لوگوں کے عقیدہ واعمال کے مطابق سب کے لیے علیحدہ علیحدہ حیات اور مختلف درجات ومراتب ہیں۔

شہداء وہ محبوب بندے ہیں جنہیں مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے کی قرآن کریم نے ممانعت فرمائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں (اور) روزی پاتے ہیں''۔ (آلِ عمران: ۱۶۹، کنز الایمان)

ایک اور ارشاد گرامی ہے، ''اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں''۔ (البقرہ: ۱۵۴)

شہداء کی حیات عام مسلمانوں کی برزخی حیات سے یقیناً زیادہ شرف وکمال کی حامل ہے انہیں رزق دیا جاتا ہے وہ جنت کی نہروں سے پانی پیتے اور جنت کے پھل کھاتے ہیں۔ نیز انہیں تصرف کرنے کا اختیار بھی دیا جاتا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے، ''اللہ تعالیٰ شہداء کی روحوں کو جسموں کی طرح طاقت دیتا ہے وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہیں جاسکتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اس زندگی کی وجہ سے ہی زمین انکے جسموں کو نہیں کھا سکتی''۔

☆ حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما غزوہ احد میں شہید ہوگئے تھے اور ایک ہی قبر میں مدفون تھے۔ انکی قبر کو بارش کے پانی نے نقصان پہنچایا تو انکے لیے دوسری قبر کھودی گئی۔ جب انکی قبر کو کھولا گیا تو دیکھا کہ انکے جسموں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے گویا آج ہی فوت ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک صحابی نے اپنے زخم پر اپنا ہاتھ رکھا ہوا تھا، جب ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا تو خود بخود اسی جگہ پر واپس لوٹ گیا۔ یہ اجسام بالکل تازہ تھے حالانکہ غزوہ احد کو ۴۶ سال گذر چکے تھے''۔ (موطا امام مالک کتاب الجہاد)

☆ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ولید بن عبدالملک (م ۹۶ ھ) کے دور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارک کی دیوار گر گئی اور تینوں مزاراتِ مقدسہ ظاہر ہوگئے۔ لوگ جب دیوار بنانے لگے تو اس دوران ایک قدم مبارک نظر آنے لگا۔ لوگ ڈر گئے اور سمجھے کہ یہ حضور ﷺ کا قدم مبارک ہے۔ کوئی شخص ایسا نہ ملا جو قدم مبارک پہچان سکتا ہو۔ یہاں تک کہ میں نے قدم مبارک کی زیارت کی اور لوگوں کو بتایا کہ خدا کی قسم! یہ رسول اکرم ﷺ کا قدم مبارک نہیں بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

☆ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ہاشم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، میں اپنے والد کے ساتھ شہدائے احد کی زیارت کے لیے گیا۔ میرے والد نے بلند آواز سے انہیں سلام کیا تو مزارات سے سلام کا جواب سنائی دیا۔ انہوں نے دوبارہ سلام کیا تو پھر جواب سنائی دیا، یونہی تیسری بار سلام کیا تو پھر جواب ملا۔ (شرح الصدور ۱۹۳)

☆ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہر کھودنے کا ارادہ کیا تو شہدائے احد کے اجسام قبور سے منتقل کرنے کے لیے اعلان فرمایا۔ جب لوگ وہاں گئے تو دیکھا کہ تمام شہداء کے اجسام صحیح سلامت ہیں۔ قبر کھودنے کے دوران ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگ گئی تو اس سے زندوں کی طرح خون جاری ہو گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا، ''آج کے بعد شہداء کی حیات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا''۔ جب لوگ مٹی کھود رہے تھے تو اس سے مشک کی طرح خوشبو آرہی تھی۔ (بیہقی، طحاوی، شرح الصدور ص ۲۹۹)

☆ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں روایت کرتے ہیں کہ منہال بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، میں دمشق میں تھا تو میں نے امام حسین رضی اللہ عنہ نے سرِ اقدس کو لے جاتے ہوئے دیکھا۔ خدا کی قسم! جب وہاں ایک شخص نے سورہ کہف کی آیت (۹) تلاوت کی جسکا ترجمہ یہ ہے، ''کیا تمہیں معلوم ہوا پہاڑ کی کھوہ (غار) اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے سرِ مبارک کو قوت گویائی عطا فرمائی اور وہ بولا، اعجب من اصحاب الکھف قتلی و حملی۔ ''مجھے شہید کرنا اور اٹھا کر لے جانا اصحابِ کہف کے واقعے سے بھی زیادہ عجیب ہے''۔ (شرح الصدور ص ۱۹۴)

☆ امام حاکم و امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما سے مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوگئے۔ رات کو ایک مسلمان کے خواب میں آئے اور فرمایا، میری بات غور سے سنو، میرے شہید ہوجانے کے بعد ایک شخص نے میری زرہ اتار لی ہے اسکا خیمہ آخری کونے پر ہے اسکے خیمے کے پاس ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اس نے زرہ پر ہانڈی ڈھک دی ہے اور اس پر کجاوہ رکھ دیا ہے۔ تم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور یہ باتیں بتا کر ان سے کہو کہ میری زرہ لے لیں۔ اور پھر تم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاؤ اور ان سے کہنا، مجھ پر فلاں فلاں کا اتنا قرض ہے وہ ادا فرمادیں۔

چنانچہ اس شخص نے تمام باتیں حضرت خالد بن ولید سے کہیں اور پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہما سے تمام احوال عرض کیا۔ انہوں نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت پوری کی۔ ہمارے علم میں یہ واحد ہستی ہیں جنہوں نے مرنے کے بعد وصیت کی اور انکی وصیت پوری کی گئی۔ (شرح الصدور ص ۲۵۰)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شہداء کرام کے جسم بھی محفوظ رہتے ہیں اور انہیں عام مسلمان مُردوں سے زیادہ تصرف و اختیار حاصل ہوتا ہے خصوصاً اس آخری روایت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے باوجود شہید ہوجانے کے یہ جان لیا کہ زرہ کس نے اتاری اور کہاں چھپائی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ نے آپ کی وصیت پر عمل کرکے یہ ثابت کیا کہ وہ شہداء کی غیر معمولی قوت اور روحانی طاقت پر ایمان رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆

باب ہفتم: حیاتِ اولیاء بعد از وصال

حیاتِ اولیاء کرام:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''سن لو! بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ غم، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں، انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہی بڑی کامیابی ہے''۔

(یونس: ۶۲-۶۴، کنزالایمان)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں جو نہ تو نبی ہیں اور نہ شہید۔ البتہ ان پر انبیاء اور شہداء قیامت کے دن انکے قربِ الٰہی کی وجہ سے رشک کریں گے۔ عرض کیا گیا، یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بتایئے وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا، ''وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے قرآن کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، انکا باہم نہ کوئی لین دین ہے اور نہ رشتہ داری۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! انکے چہرے نور ہونگے اور وہ نور کے منبروں پر ہونگے۔ جب لوگ ڈریں گے یہ نہ ڈریں گے اور جب لوگ غمگین ہونگے تو یہ غمگین نہ ہونگے اور پھر مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی''۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ باب الحبّ فی اللہ)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''شہید وہ ہے جو اللہ کے دین کی حقانیت کی گواہی کبھی دلائل و براہان اور قوتِ بیان سے دیتا ہے اور کبھی شمشیر و سنان سے، راہِ خدا میں قتل ہونے والے کو اسی لیے شہید کہتے ہیں کہ وہ اپنی جان قربان کرکے دینِ حق کی صداقت کی گواہی دیتا ہے''۔ (تفسیر کبیر)

یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اولیاء کرام وہ ''شہداء'' ہیں جو اپنے قول و فعل سے، ظاہر و باطن میں ہر لحہ ہر لحظہ دینِ اسلام کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں حتیٰ کہ نفس کے ساتھ جہادِ اکبر کرتے ہوئے ''کشتگانِ خنجرِ تسلیم را'' کا مژدۂ جانفزا پالیتے ہیں۔ ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے لیے '' لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ '' کی بشارت دی گئی ہے۔ انہیں بھی حیاتِ جاودانی کی نعمت عطا کی جاتی ہے۔

غیر شہید صحابہ کرام کے اجسامِ مطہرہ محفوظ رہنے کی بہترین دلیل وہ واقعہ ہے جو بیسوی صدی میں پیش آیا۔ جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے تقریباً تیرہ سو سال بعد عراق کے بادشاہ فیصل اول اور مفتیٔ اعظم کے خواب میں آئے اور فرمایا، میری قبر میں پانی آرہا ہے اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر میں نمی آرہی ہے اسلیے ہمیں محفوظ مقام پر منتقل کردیا جائے۔

چنانچہ حج کے دس دن بعد پیر کے دن پانچ لاکھ افراد کی موجودگی میں ان صحابہ کرام کے مزارات کو کھولا گیا تو لوگ حیران رہ گئے کہ تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود ان کے کفن بالکل سفید و سالم اور اجسامِ مبارک ایسے تروتازہ تھے گویا ابھی فوت ہوئے ہوں حالانکہ حضرت حذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کا وصال بالترتیب ۳۶ھ اور ۷۴ھ میں ہوا تھا۔ ان صحابہ کرام کو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزارِ اقدس کے قریب قبریں کھود کر دفنا دیا گیا۔

اس تمام کاروائی کو جرمن فلم ساز کمپنی نے ۳۰×۲۰ فٹ بڑی سکرین پر کیمرے کی مدد سے دکھایا تاکہ لاکھوں افراد یہ مناظر بآسانی دیکھ سکیں۔ یہ ایمان افروز واقعہ دیکھ کر ہزاروں غیر مسلم مسلمان ہوگئے۔

انبیاء کرام اور شہداء عظام کے علاوہ جن محبوبانِ خدا کے اجسام قبروں میں محفوظ رہتے ہیں، انکے متعلق علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''انبیاء کرام اور شہداء عظام کے علاوہ اولیاء کرام اور علمائے حق، ثواب کے لیے اذان دینے والوں اور قرآن کریم کے حافظوں کے جسموں کو بھی زمین نہیں کھاتی''۔ (شرح الصدور)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''اور جو اللہ اور اسکے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا، یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں''۔ (النساء: ۶۹، کنزالایمان)

اولیاء کرام کا تعلق صدیقین سے بھی ہے شہداء سے بھی اور صالحین سے بھی۔ اولیائے صدیقین کا شہداء سے افضل ہونا تو اس آیت سے ثابت ہے۔ چونکہ شہداء زندہ ہیں اس لیے یقیناً اولیائے صدیقین بھی زندہ ہیں اور اولیائے صالحین بھی کیونکہ وہ ملحق بالشہداء ہیں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''اسی بنا پر صوفیہ کرام نے فرمایا، ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں۔ اور بیشمار

اولیاء سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں اور انکے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور جسے اللہ چاھے اسے ہدایت دیتے ہیں۔ بعد وصال صدیقین کو برزخی حیات میں شہداء سے اعلیٰ مقام حاصل ہے اور اولیاء صالحین بھی شہداء کے ساتھ زندہ ہیں۔ قرآن کریم میں ان نفوسِ قدسیہ کا اسی ترتیب کے ساتھ مذکور ہونا اس پر واضح دلیل ہے"۔ (تفسیر مظہری: البقرہ زیرِ آیت ۱۵۴)

محدث علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَلٰكِنْ يَّنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارِ الْفَنَاءِ اِلٰى دَارِ الْبَقَاءِ

"اللہ کے ولی مرتے نہیں ہیں بلکہ وہ دارِ فنا یعنی دنیا سے دارالبقا یعنی آخرت کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں"۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۳۴۱)

دیو بندی مفتی رشید گنگوہی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ "اولیاء کرام بحکم شہداء (زندہ) ہیں اور مشمول آیت بل احیاء عند ربھم کے ہیں"۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۳)

صدرُ الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "اولیائے کرام اپنی قبروں میں حیاتِ ابدی کے ساتھ زندہ ہیں، انکے علم و ادراک اور سمع و بصر پہلے کی نسبت بہت زیادہ قوی ہیں"۔ (بہارِ شریعت حصہ اول ص ۵۶)

ایمان افروز واقعات:

1- حضرت ربعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چار بھائی تھے اور میرا بھائی ربیع رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ نماز روزہ کی کثرت کرنے والا تھا، اس کا انتقال ہو گیا۔ ہم اسکے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک اس نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھا کر السلام علیکم کہا۔ ہم نے کہا، وعلیکم السلام۔ کیا موت کے بعد کلام؟ اس نے کہا، "ہاں۔ مرنے کے بعد میں نے اپنے رب سے اس حال میں ملاقات کی کہ وہ مجھ سے راضی تھا، اس نے اعلیٰ ترین نعمتوں کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ سنو! بیشک ابوالقاسم حضرت محمد ﷺ مجھ پر نماز پڑھنے کا انتظار فرما رہے ہیں۔ جلدی کرو اور میرا جنازہ لے جانے میں دیر نہ کرو"۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچائی گئی تو انہوں نے فرمایا، خبردار! بیشک میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ "میری امت میں سے ایک آدمی موت کے بعد بھی کلام کرے گا"۔ امام ابونعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں، یہ حدیث مشہور ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا اور فرمایا، یہ حدیث ایسی صحیح ہے کہ اسکے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (شرح الصدور ص ۴۷)

2- ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے روایت کی ہے کہ ربیع بن حراش رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک کہ انکو آخرت میں اپنا ٹھکانا نہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ وہ موت کے بعد ہی ہنسے۔ انکے بعد انکے بھائی ربعی رضی اللہ عنہ نے بھی قسم کھائی کہ جب تک انہیں اپنے جنتی یا ناری ہونے کا علم نہ ہو جائے وہ ہرگز نہ ہنسیں گے۔ ان کی لاش کو غسل دینے والوں نے بتایا کہ جب تک ہم انکو غسل دیتے رہے وہ مسلسل ہنستے رہے۔ (شرح الصدور ص ۴۷)

3- ابن عساکر رحمہ اللہ نے روایت کی کہ دورِ فاروقی میں ایک عابد و زاہد نوجوان تھا جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت پسند کرتے تھے۔ وہ دن بھر مسجد میں رہتا اور بعد عشاء گھر جاتا۔ راستے میں ایک عورت کا مکان تھا جو اس پر عاشق ہو گئی۔ وہ اسے متوجہ کرنا چاہتی مگر نوجوان نظر نہ کرتا۔ ایک رات وہ اسے بہلا کر اپنے دروازے تک لے گئی۔ جب یہ داخل ہونے لگا تو خدا یاد آیا اور بیساختہ زبان پر یہ آیت جاری ہو گئی۔ (ترجمہ) "ڈر والوں کو جب کوئی جھپٹ شیطان کی پہنچتی ہے، خدا کو یاد کرتے ہیں اسی وقت انکی آنکھیں کھل جاتی ہیں"۔ (الاعراف)

آیت پڑھتے ہی یہ غش کھا کر گرا۔ عورت نے اپنی کنیز کے ساتھ اسے اٹھوا کر اسکے دروازے پر ڈال دیا۔ بوڑھا باپ تلاش میں نکلا تو اسے بیہوش پڑا پایا۔ اٹھوا کر اندر لے گیا۔ رات گئے ہوش آیا تو باپ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ باپ نے پوچھا، کون سی آیت پڑھی تھی؟ اس نے پھر وہی آیت پڑھی اور بیہوش ہو گیا۔ جب ہلایا جلایا تو معلوم ہوا کہ فوت ہو گیا ہے۔ لوگوں نے رات ہی کو نہلا کفنا کر دفن کر دیا۔

صبح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو اسکی قبر پر تشریف لے گئے اور اس نوجوان کا نام لیکر فرمایا، اے فلاں! جو اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے کا ڈر کرے،

اسکے لیے دو جنتیں ہیں۔نوجوان رحمہ اللہ نے قبر میں سے جواب دیا، امیر المومنین! مجھے میرے رب نے وہ دونوں جنتیں عطا فرما دیں۔(شرح الصدور ص ۱۹۵)

4- رسالہ قشیریہ میں شیخ علی رودباری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک فقیر کو دفن کرتے وقت اسکے سر سے کفن ہٹایا اور اسکا سر مٹی پر رکھتے ہوئے کہا، اللہ تعالیٰ اسکی غربت پر رحم کرے۔تو اس نے آنکھیں کھول کر مجھ سے کہا، جناب! مجھے اسکے سامنے ذلیل نہ کریں جس نے مجھے راہ دکھائی۔ میں نے کہا، اے میرے سردار! کیا موت کے بعد زندگی؟ تو اس نے کہا، میں بھی زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر محب زندہ ہے اور کل میں تمہاری مدد کروں گا۔ (ایضاً ص ۱۹۰)

5- اسی رسالہ میں ابراہیم بن شیبان رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک صالح نوجوان میرا ساتھی بنا اور جلد ہی اسکا انتقال ہوگیا۔ مجھے بہت رنج ہوا۔ میں نے اسے غسل دینے کا ارادہ کیا تو صدمہ کے باعث الٹی طرف سے نہلانا شروع کیا۔اس نے فوراً میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے دایاں حصہ دیا۔ میں نے کہا، اے بیٹے! تو حق پر ہے اور میں غلطی پر تھا۔ (ایضاً ص ۱۹۰)

6- ابو یعقوب سوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میرے ایک مرید نے مجھ سے کہا، میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا، یہ دینار لے لیں اور اس سے میرے کفن دفن کا انتظام کر دیجیے گا۔دوسرے روز ظہر کے وقت وہ آیا اور اس نے طواف کیا اور پھر تھوڑی دیر بعد مر گیا۔ جب میں نے دفن کے وقت اسے قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا، کیا مرنے کے بعد بھی زندگی ہوتی ہے؟ اس نے کہا، میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر محب زندہ ہے۔(ایضاً ص ۱۹۱، فتاویٰ حدیثیہ ص ۲۶۷)

7- ابو محمد نجار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مردہ کو غسل دیا۔ جب میں غسل دے رہا تھا تو اچانک اس نے آنکھیں کھولیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا، اے ابو محمد! اس دن کے لیے اچھی طرح تیاری کرلو۔(شرح الصدور ص ۱۰۰)

8- امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں روایت کی کہ قاضی نیشاپور ابراہیم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا، میں پہلے کفن چراتا تھا۔ایک دن ایک عورت کا انتقال ہوا۔ میں نے کفن چرانے کی غرض سے اسکی قبر کھودی۔ جب میں نے اسکے کفن پر ہاتھ ڈالا تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، ''سبحان اللہ! جنتی ہو کر جنتی کا کفن چراتا ہے''۔ میں نے کہا، میں جنتی کیسے ہوگیا؟ وہ بولی، کیا تو نے میرے جنازے کی نماز نہ پڑھی تھی؟ میں نے کہا، ہاں پڑھی تھی۔اس نے کہا، ''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جو بھی میرے جنازے کی نماز پڑھے گا میں اسے بخش دوں گا''۔اسی وقت میں سچے دل سے تائب ہوگیا۔(ایضاً ص ۲۰۵)

یہ تمام واقعات اولیاء کرام کی بعد از وصال زندگی کے روشن دلائل بھی ہیں اور اولیاء کرام کی بعد از وصال کرامات بھی۔ان سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اولیاء کرام بعد وصال نفع دیتے اور فیض پہنچاتے ہیں جیسا کہ ایک صالحہ کی نماز جنازہ پڑھنے سے کفن چور کی بخشش ہوگئی۔

☆☆☆☆

باب ہشتم: مزارات پر حاضری
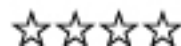
شعائراللہ:

شعائر وہ علامات یا نشانیاں ہیں جن سے کسی چیز کی پہچان ہوتی ہے۔ شرعی اصطلاح میں ''شعائراللہ'' وہ علامات یا نشانیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو اور معرفتِ الٰہی حاصل ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

''بیشک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے ہیں''۔ (البقرہ: ۱۵۸، کنزالایمان)

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام دوڑی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبوب بندی کے قدموں کی برکت سے وہ جگہ ایسی برکت والی ہوگئی کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں کو اس کا بھی ''طواف'' یعنی سعی کرنے کا حکم دے دیا گیا اور یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑیوں کو اپنی نشانیاں قرار دے دیا۔ ثابت ہوا کہ جس جگہ کو اولیاء و صالحین سے نسبت ہوجائے وہ عظمت و برکت والی بن جاتی ہے اور شعائراللہ قرار پاتی ہے۔

وہ پتھر جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے کے مبارک قدم لگ جانے کے باعث اتنا مقدس اور محترم ہوگیا کہ اسے خانہ کعبہ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ رب تعالیٰ نے اسے اپنی واضح نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا۔ (آل عمران: ۹۷) اور اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ ارشاد ہوا،

''اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ''۔ (البقرہ: ۱۲۵)

سورۃ الحج میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے،''اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے''۔ (۳۲، کنزالایمان)

دیوبندی مکتبۂ فکر کے مولوی شبیر عثمانی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں،

''اللہ نے جن چیزوں کو محترم قرار دیا ہے ان کا ادب و تعظیم قائم رکھنا بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے جس کا انجام نہایت اچھا ہوگا۔ محترم چیزوں میں قربانی کا جانور، بیت اللہ، صفا، مروہ، منیٰ، عرفات، مسجدیں، قرآن بلکہ تمام احکامِ الٰہیہ آجاتے ہیں، خصوصیت سے یہاں مسجد حرام اور ہدی کے جانور کی تعظیم پر زور دینا ہے''۔

(موضح القرآن ص ۴۴۴)

مقامِ غور ہے کہ جب صفا و مروہ کی پہاڑیاں اور قربانی کے جانور محبوبانِ خدا سے نسبت اور تعلق کی وجہ سے شعائراللہ قرار پاتے ہیں تو پھر محبوبانِ خدا کے تبرکات و آثار کیوں شعائراللہ نہیں ہوسکتے؟ اسی لیے علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں،''محبوبانِ خدا کے مزارات بھی شعائراللہ ہیں''۔ اسی لیے انکی تعظیم بھی مستحسن و محمود اور دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔

علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،''شعائراللہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پتہ دیتی ہیں مثلاً اولیاء کرام اور علمائے حق شعائراللہ ہیں، اگرچہ زندہ ہوں یا وفات پاچکے ہوں''۔ (کشف النور عن اصحاب القبور) ص ۲۰

مولوی شبیر عثمانی دیوبندی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں،

''شعائراللہ کی تعظیم شرک میں داخل نہیں، جس کے دل میں پرہیزگاری کا مضمون اور خدائے واحد کا ڈر ہوگا وہ اسکے نام لگی چیزوں کا ادب ضرور کرے گا۔ یہ ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید کے آثار میں سے ہے کہ خدا کا عاشق ہر اس چیز کی قدر کرتا ہے جو بالخصوص اسکی طرف منسوب ہوجائے''۔ (موضح القرآن)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ محبوبانِ خدا کے مزارات بھی شعائراللہ ہیں اور جس کے دل میں تقویٰ اور خوفِ خدا ہوگا وہ ضرور مزاراتِ اولیاء کا ادب کرے گا۔

مزارات کی تعظیم:

علامہ عبدالغنی آفندی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۴۳ھ) فرماتے ہیں،

''بعض گمراہ فرقوں کا مذہب یہ ہے کہ وصال کے بعد اولیاء اللہ خاک ہوکر مٹی میں مل جاتے ہیں اور انکی روحیں چلی جاتی ہیں اسلیے انکے مزارات کی تعظیم نہیں کرنی چاہیے۔ اسی وجہ سے وہ مزارات کی توہین وتحقیر کرتے ہیں نیز انکی زیارت کرنے والوں اور ان سے برکت حاصل کرنے والوں پر انکار کرتے ہیں۔ میں نے ایک دن خود اپنے کانوں سے سنا جب میں شیخ ارسلان دمشقی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لیے جارہا تھا کہ ایک شخص نے کہا، ''تم مٹی کی زیارت کیوں کرتے ہو، یہ تو بیوقوفی ہے''۔ مجھے انتہائی تعجب اور افسوس ہوا اور میں نے اپنے دل میں کہا، یہ کسی مسلمان کا قول نہیں ہو سکتا''۔ (کشف النور ص ۱۹)

امام ترمذی، امام حاکم اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک صحابی نے ایک قبر پر اپنا خیمہ لگالیا۔ انہیں علم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے۔ انہوں نے قبر میں کسی کو سورۃ الملک تلاوت کرتے سنا تو بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوکر سارا واقعہ عرض کیا۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، یہ سورۃ عذاب کو روکنے والی اور نجات دینے والی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا۔

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی قسم! میں نے اور حمید طویل رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کو لحد میں اتارا تھا۔ جب ہم کچی اینٹیں برابر کر چکے تو ایک اینٹ گرگئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ اکثر دعا کیا کرتے تھے، اے اللہ! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی۔

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی روایت کی کہ مہلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مجھے لوگوں نے بتایا کہ جب ہم صبح کے وقت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس سے گزرتے تو قرآن کریم کی تلاوت کی آواز آتی تھی۔

ابونصر نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ جو متقی گورکن تھے، کہتے ہیں کہ میں ایک قبر کھودی تو اسکے پہلو میں دوسری قبر کھل گئی۔ میں نے اس قبر میں بہترین لباس اور عمدہ خوشبو والے خوبصورت نوجوان کو دیکھا جو قرآن پاک کی تلاوت کررہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھ کر پوچھا، کیا قیامت قائم ہوگئی؟ میں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا، اینٹ اسی جگہ رکھ دو تو میں نے اینٹ اسی جگہ رکھ دی۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایسے کئی واقعات لکھ کر فرماتے ہیں، ان روایات میں بعض اولیاء کرام کا قبروں میں تلاوت کرنا اور نماز پڑھنا وارد ہے۔ جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کا کیا مقام ہوگا؟ (شرح الصدور ص ۱۷۵)

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسے ہی متعدد واقعات تحریر کرکے فرماتے ہیں،

''ان تمام امور سے کرامت بعد از وصال کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ اسکے متعلق وہی شک کرے گا جس کا ایمان ناقص ہو، بصیرت ختم ہوچکی ہو، فضلِ الٰہی کے دروازے سے مردود ہو، اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں سے تعصب رکھتا ہو، اولیاء کرام کی مخالفت کے بھنور میں پھنس چکا ہو، اللہ تعالیٰ نے اسکی اہانت کی ہو اور اس پر غضب فرما کر اسے شیطان کے سپرد کردیا ہو۔ اس لیے شیطان اسکے ساتھ کھیلتا ہے اور محبوبانِ خدا کا بغض اسکے دل میں ڈالتا ہے اور اسے اولیاء کرام، انکی کرامات اور انکے مزارات کی توہین و بے ادبی پر اکساتا ہے۔ حالانکہ جس نے علم کلام اور علم توحید پڑھا ہے وہ جانتا ہے کہ موت کے بعد ارواح کا تعلق اجسام سے ہوتا ہے باوجود اسکے کہ ارواح اپنے مقام پر ہوتی ہیں جس طرح سورج کی شعاعیں زمین تک پہنچتی ہیں، اس بنا پر قبروں کا احترام واجب ہے''۔ (کشف النور ص ۱۷)

مجدد دین وملت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''معظماتِ دینی کی تعظیم قطعاً مطلوب ہے اور اولیاء کرام کے مزارات بلکہ عام مومنوں کی قبور بھی ضرور ادب وتکریم کی مستحق ہیں اسی لیے ان پر بیٹھنا ممنوع، چلنا ممنوع، پاؤں رکھنا ممنوع یہانتک کہ ان سے تکیہ لگانا بھی ممنوع ہے''۔ (احکامِ شریعت ص ۶۸)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں،

"قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے اور جس کے اقربا ایسی جگہ دفن ہوں کہ انکے گرد اور قبریں ہوگئی ہوں اور اسے ان کی قبور تک دوسری قبروں پر پاؤں رکھے بغیر جانا ممکن نہ ہو، وہ دور ہی سے فاتحہ پڑھے اور پاس نہ جائے"۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۰۸)

مزاراتِ اولیاء پر حاضری:

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ ہر سال شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے تھے۔ یہی معمول حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کا رہا، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہاں جا کر دعا کرتی تھیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی دیگر صحابہ کے ساتھ انکے مزارات پر جا کر سلام کرتے اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے، "ان حضرات کو سلام کرو جو تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں"۔ (شرح الصدور ص ۱۹۳، جذب القلوب ص ۲۰۲)

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ ہر سال شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے تھے۔ (شامی باب زیارۃ القبور)

حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، جو ان کے مزارات پر آئے اور سلام بھیجے تو یہ لوگ قیامت تک اس پر سلام بھیجتے رہیں گے۔ (شرح الصدور ص ۱۹۳ بحوالہ حاکم وبیہقی)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے مزارات کی زیارت اہتمام سے کرنی چاہیے جیسا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول تھا۔

سرورِ کائنات ﷺ رات کے آخری حصہ میں قبروں کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع تشریف لے جاتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آقا کریم ﷺ رات کے آخری حصہ میں بقیع کی طرف تشریف لے جاتے۔ (مسلم)

دوسری روایت میں ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے بقیع میں قبروں پر ہاتھ مبارک اٹھا کر تین بار دعا فرمائی۔ (مسلم)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا نبی کریم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے اور ہرگز شرک یا بدعت نہیں۔

دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی حکمت محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے اور وہیں سے رزق، وحی، رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

اسکی ایک اور حکمت خود نورِ مجسم ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ "بیشک تمہارا رب حیا والا ہے، وہ اس سے حیا فرماتا ہے (جیسا اسکی شان کے لائق ہے) کہ اپنے بندے کے ہاتھوں کو خالی لوٹائے"۔ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ آقا کریم ﷺ نے اپنے غلام ابی موہبہ کو نصف شب کے وقت بیدار کیا اور فرمایا، "مجھے حکم ہوا ہے کہ بقیع جاؤں اور اہلِ بقیع کے لیے دعا کروں"۔ (جذب القلوب ص ۱۷۲)

صدرُ الشریعہ علامہ مولانا امجد علی قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

"بقیع کی زیارت سنت ہے۔ اس قبرستان میں دس ہزار صحابہ کرام مدفون ہیں اور تابعین و تبع تابعین و اولیاء و علماء و صلحاء کا تو شمار ہی نہیں"۔ (بہارِ شریعت حصہ ششم ص ۱۴۴)

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۴۳ھ) فرماتے ہیں،

"حضور ﷺ جنت البقیع میں قبروں کی زیارت کرتے اور انکے پاس کھڑے ہو کر دعا فرماتے، نَسْئَالُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ ۔ "ہم اپنے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں"۔ (مسلم)

حضور ﷺ کا وہاں یہ دعا مانگنا ظاہر کرتا ہے کہ مومنوں کی قبروں کے پاس دعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے۔

مومنوں کی قبروں کی برکت سے دعا کا قبول ہونا بعد از وصال کرامات سے ہے۔ یہ عام مومنوں کی قبروں کے بارے میں ہے، بارگاہِ الٰہی کے خواص اور مقربین کی شان تو اس سے کہیں اعلیٰ ہے"۔ (کشف النور عن اصحاب القبور ص ۶)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے، جس سے اس کی زندگی میں برکت حاصل کی جا سکتی ہے اس سے بعد

وفات بھی برکت حاصل کی جاسکتی ہے"۔(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا،

"ولی اللہ کی ایک شان یہ ہے کہ اسکی ہر شے میں برکت ہوتی ہے۔اسکے کلام،اسکے سانس،اسکے فعل،اسکے لباس اور اسکے مکان یہاں تک کہ اسکے پاؤں کی مٹی اور جس مکان میں وہ ایک دن بھی بیٹھا ہو،اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے"۔

(منہاج العابدین مع شرح سراج السالکین ص ۵۲۹)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جس مکان میں اللہ تعالیٰ کا ولی ایک دن قیام کرے،وہ برکتوں والا ہو جاتا ہے تو جس مزار میں وہ آرام فرما ہو وہ کیونکر برکت والا نہ ہوگا؟اس بارے میں تفصیلی گفتگو آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔فی الوقت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عقیدہ ذہن نشین کر لیجیے،"جس سے اسکی زندگی میں برکت حاصل کی جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی برکت حاصل کی جاسکتی ہے"۔

☆☆☆☆

باب نہم: آدابِ مزارات

اس باب میں ہم ان امور کا ذکر کریں گے جو اولیاء کرام کے مزارات کے حوالے سے معروف ہیں اور ان میں بعض لوگ اختلاف کرتے ہیں۔

1- پختہ قبر بنانا:

قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ پختہ کردیں جہاں میت ہوتی ہے یہ جائز نہیں۔ اگر کسی شرعی عذر کی بنا پر قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ کرنا پڑے تو پتھر وغیرہ لگایا جاسکتا ہے البتہ پختہ یعنی آگ میں پکی ہوئی اینٹیں لگانا جائز نہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، قبر کس چیز سے بنائی جائے؟ انہوں نے فرمایا، کچی اینٹوں اور سرکنڈوں سے۔ میں نے کہا، کیا آگ میں پکی ہوئی اینٹیں لگانا مکروہ ہے؟ فرمایا، ہاں۔ (المبسوط ج ا ص ۴۲۲)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''قبر کا اندرونی حصہ پختہ نہ ہو البتہ اوپر کا حصہ پختہ کردیں تو حرج نہیں''۔ (احکامِ شریعت ص ۱۷۳)

جس حدیث شریف میں قبروں کو پختہ کرنے کی ممانعت آئی ہے اس کی شرح میں علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قبر کو اندر سے پختہ کرنا ہے اور اگر باہر سے پختہ کرنا مراد ہو تو اس کی ممانعت کا سبب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا، ''کیونکہ اس میں تکلف اور آرائش ہے''۔ (اشعۃ اللمعات کتاب الجنائز)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عام مومن کی قبر کو باہر سے پختہ کرنے میں تکلف یا آرائش یا فخر کی نیت نہ ہو تو یہ جائز ہے جبکہ اولیاء کرام کی قبروں کو باہر سے پختہ کرنا بالکل جائز ہے۔ مزاراتِ اولیاء کو پختہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہ دیر تک قائم رہیں اور لوگ ان سے اکتسابِ فیض کریں۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب کیا اور فرمایا، ''اس سے میں اپنے بھائی کی قبر کا نشان قائم کرتا ہوں''۔ (مشکوٰۃ باب دفن المیت، ابوداؤد)

حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جوان تھے اور ہم میں سے بڑی چھلانگ لگانے والا وہ سمجھا جاتا جو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کو پھلانگ جاتا''۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ پتھر قبر کے سرہانے علیحدہ سے نصب نہیں تھا بلکہ قبر کے سرہانے کے طور پر نصب تھا۔ اسلیے علماء فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر کا نشان قائم رکھنے کے لیے اسے پختہ کرنا اول الذکر حدیث کی رُو سے جائز ہے اور آخر الذکر حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کی قبر کو عام مسلمانوں کی قبور سے کچھ اونچا بنانا بھی جائز ہے۔

''قبر کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چبوترہ اونچا کر کے اس پر تعویذ بقدر ایک ہاتھ اونچا کیا تو جائز ہے''۔ (جاء الحق ص ۲۸۲)

عام مسلمانوں کی قبروں کا ایک بالشت یا اس سے کچھ زائد اونچا کرنا مسنون ہے۔ بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قبریں زمین کے برابر ہونی چاہئیں اور وہ دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ''وہ ہر تصویر کو مٹادیں اور ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کردیں''۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ اونچی قبریں صحابہ کرام کی تھیں تو نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں یہ اونچی قبریں کس نے بنادیں اور ان پر تصویریں کس نے آویزاں کیں نیز آقا و مولیٰ ﷺ نے انہیں اونچی قبریں بنانے اور ان پر تصاویر آویزاں کرنے سے منع کیوں نہ فرمایا؟ ماننا پڑے گا کہ وہ قبریں صحابہ کرام کی نہ تھیں بلکہ کفار و مشرکین کی تھیں جن پر تصاویر آویزاں تھیں۔

☆ یہود و نصاریٰ کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے صالح شخص کے مرنے کے بعد اسکی قبر پر اسکی تصاویر آویزاں کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، فَاَمَرَ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِيْنَ فَنُبِشَتْ ۔ ''حضورِ اکرم ﷺ نے مشرکوں کی قبریں کھودنے کا حکم دیا تو وہ اکھیڑ

دی گئیں''۔(صحیح بخاری جلد اول ابواب العمرہ)

بخاری شریف کی ان احادیث سے ثابت ہوگیا کہ جن قبروں کو حضور ﷺ نے زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا وہ مشرکوں کی قبریں تھیں ورنہ مسلمانوں کی قبروں کی توہین کرنا یا انہیں کھودنا تو حرام ہے جس کی مذمت میں کثیر احادیث وارد ہیں۔

2- قبر پر عمارت بنانا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قبر پر عمارت بنانے اور قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔(مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

جس طرح ''قبر پر نہ بیٹھو'' کا مطلب یہ ہے کہ عین قبر پر نہ بیٹھو البتہ قبر کے اردگرد بیٹھنا جائز ہے اسی طرح حدیث پاک میں عین قبر کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت آئی ہے، قبر کے اردگرد عمارت بنانے کی ممانعت نہیں۔لہٰذا ضرورتاً قبر کے اردگرد چار دیواری یا عمارت اور گنبد بنانا جائز ہے۔حدیث شریف میں ''وَاَنْ یُّبْنیٰ عَلَیْہِ'' کے الفاظ آئے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ عین قبر کے اوپر عمارت نہ بنائی جائے اس طرح کہ قبر پر دیوار یا ستون بنایا جائے، یا بعینہٖ قبر پر رہائش گاہ بن جائے، یہ حرام ہے کیونکہ اس میں قبر کی توہین ہے۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں دفن کیا گیا۔اگر یہ جائز نہ ہوتا تو صحابہ کرام پہلے حجرہ مبارک شہید کردیتے تاکہ روضہ اقدس پر عمارت کا جواز باقی نہ رہتا لیکن صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا۔گویا اس پر اجماع ہوگیا کہ روضہ اقدس پر حجرہ مبارک کی عمارت جائز ہے۔پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکے گرد اینٹوں کی دیوار بنوادی۔

بعدازاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جید صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت میں پتھر لگوائے اور اسے مضبوط بنادیا۔(وفاء الوفا ص ۳۸۸)

بخاری شریف کے حوالے سے پہلے ذکر کیا گیا کہ جب روضہ اقدس کی بیرونی دیوار گر پڑی تو صحابہ کرام نے اسے بنایا۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حجرہ مبارکہ کے گرد ایک اور حجرہ بنوادیا اس طرح حجرہ نبوی ﷺ اسکے وسط میں آ گیا۔(اخبار مدینۃ الرسول ص ۱۳۸) ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤن صالحی نے روضہ انور پر گنبد شریف تعمیر کرایا اور چاروں طرف پیتل کا خوبصورت جنگلہ لگوادیا جسے سنہری جالی کہتے ہیں۔(وفاء الوفا ص ۴۳۸)

جب حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم کا انتقال ہوا تو انکی اہلیہ ان کی قبر پر ایک سال تک خیمہ لگائے بیٹھی رہیں۔(بخاری کتاب الجنائز)

اس کی شرح میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر صحیح غرض کے لیے خیمہ لگانا جائز ہے جیسے کہ زندہ لوگوں یعنی زائرین کو دھوپ سے بچانے کے لیے خیمہ لگانا۔(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۸۳)

حضرت عمر نے حضرت زینب بنت جحش کی قبر پر، حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر اور محمد بن حنفیہ بن علی نے ابن عباس (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی قبر پر قبہ بنایا۔(منتقٰی شرح موطا امام مالک)

محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''جب قبر پر خیمہ کسی فائدہ کی غرض سے ہو مثلاً اس کے سائے میں تلاوتِ قرآن کی جائے، تو پھر اس کی ممانعت نہیں۔سلف صالحین نے مشہور علماء و مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ انکی زیارت کریں اور وہاں آرام سے بیٹھ سکیں''۔(مرقاۃ ج ۴ ص ۶۹)

تفسیر روح البیان میں ہے، ''علماء و اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر عمارت و گنبد بنانا جائز ہے جبکہ اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں کی نگاہوں میں ان بزرگانِ دین کی عظمت پیدا ہو اور وہ انہیں حقیر نہ جانیں''۔(سورہ توبہ زیرِ آیت ۱۸)

ان دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات پر عمارت بنانا اس لیے جائز ہے کیونکہ وہاں زائرین تلاوت کرتے ہیں اور فاتحہ خوانی کرنے والے دھوپ اور بارش سے محفوظ رہتے ہیں۔مزارات کی پُرشکوہ عمارت اور گنبد و قبہ بنانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ہندو سکھ عیسائی وغیرہ پر اسلام اور اولیاء اللہ کی عظمت و ہیبت طاری ہو اور مسلمان اکتسابِ فیض کے لیے مزارات پر حاضری دیں اور ان کے دلوں میں بھی نیکی کا جذبہ پیدا ہو۔

3-مزارات کے قریب مساجد:

اصحاب کہف کا واقعہ بیان کرتے ہوئے رب کریم نے فرمایا،

''وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے، قسم ہے کہ ہم تو ان (اصحاب کہف) پر مسجد بنائیں گے''۔ (الکہف:۲۱، کنزالایمان)

صدرُالافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،''اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسجدیں بنانا اہلِ ایمان کا قدیم طریقہ ہے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کو منع نہ کرنا اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار میں برکت حاصل ہوتی ہے اسی لیے اہلُ اللہ کے مزارات پر لوگ حصولِ برکت کے لیے جایا کرتے ہیں اور اسی لیے قبروں کی زیارت سنت اور موجبِ ثواب ہے''۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اس آیت کے تحت تفسیر مظہری میں ہے،''یہ آیت اولیاء اللہ کے مزارات کے پاس مسجدیں بنانے کے جواز کی دلیل ہے تاکہ ان میں اولیاء کرام کی برکتوں کے حصول کے ارادے سے نماز پڑھی جائے''۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،''بعض لوگوں نے کہا، بہتر یہ ہے کہ غار کے دروازے پر مسجد بنادی جائے۔ یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ وہ لوگ عارف باللہ تھے اور نماز اور عبادت کے قائل تھے''۔ (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۴۷۵)

ان مستند و معتبر تفاسیر سے ان جہلاء کے باطل نظریے کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ اصحابِ کہف کے غار کے پاس مسجد بنانے والے گمراہ اور مشرک تھے۔ معاذ اللہ! (ملاحظہ فرمائیے، تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۸)

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ بے توفیق فقیہانِ حرم

علامہ نسفی اور علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی اپنی تفاسیر میں مسجد بنانے کا سبب یہ بیان فرمایا ہے،''یہاں مسجد تعمیر کی جائے تاکہ لوگ نمازیں پڑھیں اور اصحابِ کہف کے قرب کی برکت حاصل کریں''۔ (تفسیر مدارک، تفسیر روح البیان)

اس مسئلہ میں منکرین اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے،''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا''۔ (مشکوٰۃ)

اہلسنت کا مذہب یہی ہے کہ قبروں کو عبادۃً سجدہ کرنا شرک اور تعظیماً سجدہ کرنا حرام ہے۔ اس مسئلے کو اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں دلائل سے ثابت کیا ہے لیکن اس حدیث پاک سے مزاراتِ اولیاء کے قرب و جوار میں مسجد بنانے کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

امام عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں،''جو شخص کسی ولی کے مزار کے قریب مسجد بنائے اور اسکے قرب سے برکت حاصل کرنے کا ارادہ کرے جبکہ اس سے ولی کی تعظیم یا نماز میں اس کی طرف توجہ مقصود نہ ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں''۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۵۲۵)

سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مزاراتِ بابرکات کے اردگرد مسجد نبوی واقع ہے اور مزاراتِ مقدسہ کے چاروں طرف نماز ادا کی جاتی ہے۔

محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں،''کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر کعبہ میں حطیم کے پاس ہے اور اس جگہ نماز پڑھنا سب سے افضل ہے۔ علامہ طیبی کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر حطیم میں میزاب کے نیچے ہے اور حطیم میں حجرِ اسود اور میزاب کے درمیان ستر (۷۰) نبیوں کی قبریں ہیں''۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۰۲)

4-مزار پر چادر چڑھانا:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،''اولیاء کرام کے مزارات پر چادر ڈالنا جائز ہے۔ اس کی حکمت یہی ہے کہ عوام کی نظروں میں صاحبِ مزار کی عظمت و بزرگی ظاہر ہوتا کہ وہ انہیں حقیر نہ سمجھیں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو''۔ (شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت)

تفسیر روح البیان جلد سوم میں سورہ توبہ کی آیت ۱۸ کے تحت مذکور ہے کہ''علماء، اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف و عمامہ اور چادر

ڈالنا جائز ہے جبکہ اس سے یہ مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان بزرگانِ دین کی عظمت ظاہر ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں"۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "قبروں پر جوتے پہنے چلنا، وہاں فحش کلامی اور قہقہے لگانا وغیرہ اسی طرح کی دیگر بے حرمتیاں دیکھ کر اہلِ علم و فضل نے مزاراتِ اولیاء کو عام قبور سے ممتاز کرنے کی ضرورت محسوس کی تاکہ عوام کی نظر میں ہیبت و عظمت پیدا ہو اور وہ اولیاء کرام کی تحقیر و توہین سے باز رہیں۔ ظاہر بین ظاہری زینت سے متاثر ہوتے ہیں اسی لیے علماء نے قرآن کریم کو سونے وغیرہ سے مزین کرنا مستحسن سمجھا ہے۔ خانہ کعبہ کے غلاف میں ایک بڑی حکمت یہی ہے۔ امام نابلسی رحمۃ اللہ علیہ، کشف النور میں فرماتے ہیں، "اگر عوام کی نگاہ میں مزاراتِ اولیاء کی تعظیم پیدا کرنی مقصود ہو تاکہ جس مزار پر چادر اور عمامہ رکھا دیکھیں اسے ولی کا مزار جان کر اس کی تحقیر سے باز رہیں اور غافل زائرین کے دلوں میں خشوع و ادب آئے جن کے دل زیارت کے وقت ادب کے لیے نرم نہیں ہوتے تو چادر ڈالنا جائز ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔

جب چادر موجود ہو اور وہ ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی ہو کہ بدلنے کی حاجت ہو تو مزید چادر چڑھانا فضول ہے بلکہ جو دام اس میں صرف کریں، وہ اس ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کے لیے محتاج کو دیں۔ (احکام شریعت ص ۷۱ ملخصاً)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہی ہے کہ مزار پر صرف ایک چادر ہونی چاہیے جس سے عام مسلمان اور ولی اللہ کے مزار میں امتیاز ہو۔ مزار کے متولی کو چاہیے کہ زائد چادریں مزار سے اتار لے۔ وہ ان چادروں کو اس ولی اللہ سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کو بطور تحفہ دے سکتا ہے اور ان کے ذریعے غریبوں کی حاجات بھی پوری کر سکتا ہے۔

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ کسی بزرگ کے مزار پر چادر چڑھانے کے لیے کچھ لوگ جلوس کی صورت میں نکلتے ہیں، وہ چادر لے کر ڈھول باجے کے ساتھ ناچتے کودتے اور چندہ مانگتے جاتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔ علماء و مشائخ کو چاہیے کہ وہ ایسی بُری رسوم سے عوام کو منع کریں اور عوام کو بھی چاہیے کہ ایسے ناجائز کاموں سے بچیں۔

5- مزار پر پھول ڈالنا:

ہر مومن کی قبر پر پھول ڈالنا جائز و مستحب ہے خواہ وہ پرہیزگار ہو یا گناہگار۔ ایک بار رسول کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا، ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ ایک پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی سبز شاخ چیر کر دونوں قبروں پر گاڑ دی اور فرمایا، جب تک یہ تر رہیں گی، ان کے عذاب میں کمی رہے گی۔ (بخاری جلد اول کتاب الجنائز)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس حدیث سے ایک جماعت نے قبروں پر سبزہ، پھول اور خوشبو ڈالنے کے جواز پر دلیل قائم کی ہے۔ (اشعۃ) محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں فرمایا، قبروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے، ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی رُو سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول قبروں پر ڈالنا سنت ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

"عذاب میں کمی کی وجہ ان کا خشک نہ ہونا ہے یعنی انکی تسبیح کی برکت سے عذاب میں کمی ہوئی کیونکہ تر شاخ میں ایک طرح کی زندگی ہے اسلیے تر شاخ کی تسبیح خشک شاخ کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے"۔ (شامی جلد اول باب زیارۃ القبور)

صحابیِ رسول ﷺ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ وصال کے بعد ان کی قبر پر دو شاخیں گاڑ دی جائیں۔ (صحیح بخاری جلد اول کتاب الجنائز)

بعض جہلاء کا یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ پھول وغیرہ فاسقوں کی قبروں پر ڈالنے چاہئیں نہ کہ اولیاء کے مزارات پر کیونکہ ان پر عذاب نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اعمال گناہگاروں کے لیے عذاب میں کمی کا باعث ہیں وہ نیکوں کے لیے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہیں۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی وصیت سے معلوم ہوا کہ یہ صرف گناہگاروں کے لیے نہیں ہے بلکہ صالحین کے لیے بھی ہے۔ مزارات پر پھول اس لیے ڈالے جاتے ہیں کہ ان میں خوشبو بھی ہے اور وہ جب تک تر رہیں گے ان کی تسبیح رحمتِ الٰہی کے نزول کا سبب ہوگی۔ اسی لیے فقہاء کرام نے فرمایا، "قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا

اچھا ہے"۔(عالمگیری باب زیارۃ القبور)

6-مزار پر چراغ جلانا:

عام مسلمانوں کی قبروں پر بلاضرورت چراغ جلانا جائز نہیں۔ضرورت کی تفصیل یہ ہے کہ قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا قبر کے قریب مسجد ہو۔اگر ان میں سے کوئی ضرورت نہ بھی ہو پھر بھی اولیاء کے مزارات پر ان کی عظمت کے اظہار کے لیے چراغ جلانا جائز ہے۔مزار پر چراغ جلانے سے مزار میں روشنی نہیں ہوتی کیونکہ ولی اللہ کے مزار میں روشنی تو اس نور کی ہے جو اطاعتِ مصطفیٰ ﷺ کا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ چراغ جلانے کے جواز میں امام نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں،

"اگر وہاں مسجد ہے یا تلاوت یا ذکرِ الٰہی کرنے والے ہیں یا قبر راستے پر ہے یا یہ نیت ہو کہ گزرنے والے دیکھیں تو سلام وایصالِ ثواب سے خود بھی نفع پائیں اور میت کو بھی فائدہ پہنچائیں، یا وہ کسی عالمِ باعمل یا ولی کا مزار ہے اور اس ولی کی تعظیم کے لیے روشنی کی تاکہ لوگ جانیں کہ یہ ولی اللہ کا مزار ہے اور وہاں دعا مانگیں تاکہ ان کی دعا قبول ہو تو یہ جائز ہے"۔(احکام شریعت ص ۷۰، ملخصاً)

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،"اولیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس قندیلیں اور موم بتیاں جلانا ان کی عظمت کے لیے جائز ہے کیونکہ اسکا مقصد صحیح نہیں؟؟............پھر عمدۃ القاری شرح بخاری کے حوالے سے فرماتے ہیں،"عورتوں کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ نکلنا ایک حرام کا سبب ہے اور جو کام حرام تک پہنچانے والا ہو وہ حرام ہی ہے"۔(جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور)

9-مزار پر کھانا کھلانا:

مزارات پر عام دنوں میں بھی اور خصوصاً عرس کے دنوں میں زائرین کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔اسکی حقیقت یہ ہے کہ راہِ خدا میں مال خرچ کیا جائے اور زائرین کو کھانا کھلایا جائے اور اس مال خرچ کرنے کا ثواب صاحبِ مزار کی روح کو پہنچایا جائے، اسے نذر بھی کہا جاتا ہے۔

نذر کی دو قسمیں ہیں۔نذرِ حقیقی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے جبکہ نذرِ مجازی یہ ہے کہ کوئی شے بطور ہدیہ و نذرانہ کسی ولی کے ایصالِ ثواب کے لیے اسکے مزار پر صدقہ کی جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔مثلاً کوئی یہ کہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو داتا دربار پر کھانا تقسیم کروں گا یا گیارھویں شریف کروں گا۔اس کا مقصد ان بزرگ کو ایصالِ ثواب کرنا ہوتا ہے اور یہ بلاشبہ جائز ہے۔

ایصالِ ثواب سے متعلق ایک صحابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا، یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔اگر میں کچھ صدقہ خیرات کروں تو کیا انہیں ثواب ملے گا؟ فرمایا، ہاں! تمہارے صدقہ خیرات کا انہیں ثواب پہنچے گا۔(بخاری، مسلم)

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت پر بیشمار احادیث وارد ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے،"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابنِ آدم! تو میری راہ میں خرچ کر، میں تجھے اور عطا کروں گا"۔(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب)

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا،"بے حساب خرچ کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں بے حساب عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں دینے سے گریز کرے گا لہٰذا جہاں تک ممکن ہو خیرات کرو"۔(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب)

کھانا کھلانے کی فضیلت پر یہ احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں۔

نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا،"رحمٰن کی عبادت کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، سلام کو پھیلاؤ اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ"۔(ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب)

آقا کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ''جس نے اپنے بھوکے مسلمان بھائی کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا''۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ باب)

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، ''سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو تہجد پڑھو اور سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ''۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں، ''اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ کھانے اور مال خرچ کرنے کا ثواب اس ولی کی روح کو پہنچایا جائے اور یہ مسنون ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ اُمّ سعد کا حال بخاری و مسلم میں مذکور ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ نذر کا ثواب کسی ولی کی روح کو پہنچایا جائے اور طعام و مال کا مصرف اس ولی کے عزیز و اقارب، اس کے خدام اور متوسلین ہیں''۔ (فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۲۱)

اس بات کا با آسانی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ نان شبینہ کو محتاج ہوں اور وہ جو مسافر ہوں، بزرگوں کے مزارات پر حاضری کے بہانے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو سخت بھوکا ہو اور مزار شریف پر نذر و نیاز کے سبب اسے اگر ایک وقت کا کھانا مل جائے تو کیا یہ اس کے لیے نعمت نہیں؟ پھر اس بھوکے کے دل سے جو دعا نکلتی ہوگی وہ اس شخص کے لیے کتنی مؤثر ہوگی جس نے مزار شریف پر نذر و نیاز کا اہتمام کیا۔

10- اعراسِ اولیاء کرام:

عرس کے لغوی معنی شادی کے ہیں اور مشائخ طریقت کی اصطلاح میں اولیاء کاملین اور بزرگانِ دین کے یومِ وصال کو عرس کا دن کہتے ہیں۔ عرس کا لفظ اس حدیث پاک سے ماخوذ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، صالح مومن جب نکیرین کے سوالوں کے صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے اور اس کی قبر کو نور سے روشن کردیا جاتا ہے پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں، نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْسِ الَّذِیْ ''تو اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کا محبوب ہی جگاتا ہے''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر)

چونکہ اس دن ان کو عروس کہا گیا (جو دولہا اور دلہن دونوں کے لیے بولا جاتا ہے) اس لیے ان کے وصال کے دن کو ''عرس'' کا دن کہا جاتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وصال کے بعد قبر میں آقا و مولیٰ ﷺ کا دیدار پُرانوار نصیب ہوتا ہے اس لیے محبوبِ حقیقی کے دیدار کے باعث وہ خوشی اور شادی کا دن قرار پاتا ہے اس نسبت سے بھی اسے عرس کا دن کہتے ہیں۔

عرس کی حقیقت یہ ہے کہ ہر سال وصال کے دن کسی ولی کے مزار کی زیارت کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت اور صدقات کا ثواب اسے پہنچانا۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کا ہر سال ایک معینہ تاریخ پر شہدائے احد کے مزارات پر جانا، انہیں سلام کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہی عرس کی اصل ہے۔ (شرح الصدور ص ۱۹۳، جذب القلوب ص ۲۰۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں، ''بہت سے لوگ جمع ہوں اور قرآن کریم تلاوت کریں پھر شیرینی اور کھانے پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کردیں۔ یہ طریقہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مروج نہ تھا لیکن اگر کوئی کرے تو کوئی حرج نہیں کہ زندوں سے مُردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے''۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۴۵)

عرس کا دن مقرر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوجاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں،

''عرس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جائے، اچھا ہے اور فلاح ونجات کا ذریعہ ہے''۔(زبدۃ النصائح)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''عرس'' کے حوالے سے فرماتے ہیں، ''جس دن اولیاء وصال فرما کر بارگاہِ قدس میں پہنچتے ہیں، اس دن میں تمام دنوں سے زیادہ خیر وبرکت اور نورانیت کی امید ہے اور یہ متاخرین ہی کے بتائے ہوئے مستحسن اعمال میں سے ہے''۔(ماثبت بالسنۃ)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں، ''ایسا عرس جس میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو، شرکیہ امور اور فسق وفجور کا ارتکاب نہ ہو، کھیل تماشے اور رقص وسرود وموسیقی نہ ہو، جائز ودرست ہے کیونکہ محفلِ عرس کا مقصد تو ایصالِ ثواب، فاتحہ وقرآن خوانی ہے''۔ (موہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ص ۵ ملخصاً)

عرس کے موقع پر بعض جگہ قوالی بھی ہوتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ مروّجہ قوالی ناجائز ہے۔ صوفیہ اور بزرگوں سے جو سماع منسوب کیا جاتا ہے وہ مروجہ سماع نہیں ہے۔ قوالی ان سات شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

اول: قوالی کہنے والا باشرع ہو۔ دوم: شرکاء محفل غیر فاسق ہوں۔ سوم: ان میں کوئی نااہل نہ ہو۔ چہارم: وہاں کوئی لڑکا یا عورت نہ ہو۔ پنجم: اشعار خلافِ شرع نہ ہوں۔ ششم: قوال کی نیت اجرت لینے کی نہ ہو۔ ہفتم: لوگ لہوولعب اور لذتِ نفس کی نیت سے جمع نہ ہوں۔

بعض لوگ یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ''میری قبر کو عید نہ بناؤ'' اور وہ اس سے مزارات پر اجتماع کے ناجائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں اکابرینِ دیوبند کے پیرومرشد حاجی امداداللہ مہاجر مکی کا فتویٰ پیشِ خدمت ہے۔ وہ لکھتے ہیں، ''اسکا صحیح معنی یہ ہے کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں اور زینت وآراستگی ودھوم دھام کا اہتمام کرنا یہ ممنوع ہے اور یہ معنی قطعی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ روضہ اقدس کی زیارت کے واسطے مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا بھی منع ہوتا''۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۲۶)

صدرُ الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی لکھتے ہیں، ''اولیاء کرام کے مزاراتِ طیبہ پر سفر کرکے جانا جائز ہے۔ وہ اپنے زائر کو نفع پہنچاتے ہیں اور اگر وہاں کوئی برائی ہو مثلاً عورتوں سے اختلاط وغیرہ تو اس کی وجہ سے زیارت ترک نہ کی جائے کیونکہ ایسی باتوں سے نیک کام ترک نہیں کیا جاتا بلکہ اس برائی کو برا جانے اور ممکن ہو تو بری بات زائل کرے''۔ (بہارِ شریعت حصہ ۴ ص ۱۳۲، ردالمختار)

دعوتِ فکروعمل:

ہمارا موقف یہی ہے کہ مزارات پر یا ان کے قریب غیر شرعی امور مثلاً مردوزن کا اختلاط، میلہ بھنگڑا، ڈھول باجے، کھیل تماشے، سجدے اور دیگر ناجائز کاموں کا ارتکاب سخت ناجائز ہے اور محکمہ اوقاف یا متولیانِ مزارات کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ مذکورہ غیر شرعی امور کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ کافی عرصے سے اس بات کو محسوس کیا جارہا ہے کہ محکمہ اوقاف کے ''ذمہ دار'' افراد نہایت غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزارات پر غیر شرعی امور کی روک تھام سے بالکل غافل ہیں۔ اربابِ اقتدار کو چاہیے کہ وہ مزاراتِ مقدسہ کا نظم ونسق جید علمائے اہلسنت کے حوالے کریں تاکہ مزاراتِ اولیاء پر غیر شرعی امور کی مناسب روک تھام کی جاسکے۔

مزارات سے متعلق جن جائز امور کا ہم نے ذکر کیا آپ بتائیے کہ ان میں سے کون سی چیز ایسی ہے جو کسی دلیلِ شرعی سے منع ہو؟؟؟

باقی رہا اس لچر گفتگو کا معاملہ جو مزارات کے خلاف ہوتی ہے اور مزارات کو شرک وکفر اور بدعتوں کا منبع قرار دیا جاتا ہے، کیا یہ ناانصافی اور زیادتی نہیں کہ ایسے لوگ جاہل اور ان پڑھ عوام کو کچھ کرتا ہوا دیکھ کر ان بزرگانِ دین کے وارثوں سے جاننے اور پوچھے بغیر محض

عوام کے عمل پر فتویٰ دے دیتے ہیں اور خود ہی سے کوئی ناجائز فعل یا نظریہ علماء و مشائخ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ ان بزرگانِ دین و اولیاء کرام کے مسلک و مشرب سے تعلق رکھنے والے علماء و مشائخ سے اس کی شرعی حیثیت معلوم کی جائے، صرف عوام کو دیکھ کر فتویٰ داغ دینا کہاں کا انصاف ہے!!!

وہ اکابر علماء و مشائخ کرام جن کا تعلق مشہور خانقاہوں اور بزرگانِ دین کے مزارات سے ہے، ان سے گذارش ہے کہ وہ صاحبانِ مزارات، اولیاء کرام کی تعلیمات کو اپنائیں اور ان سے راہنمائی حاصل کر کے اپنی اور اپنے گھر والوں کی آخرت سنواریں اور اپنے مریدین و معتقدین اور عوام الناس کے افکار و اعمال کی بھی اصلاح فرمائیں۔ ''كلكم راعٍ وكلكم مسئول'' عن رعيته '' کے تحت ہر کسی کے حلقۂ اثر میں غیر شرعی اعمال کا قلع قمع اس کی دینی ذمہ داری ہے۔

ہے۔ نیز اولیاء اللہ کے لیے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تا کہ ان کی تعظیم اور محبت کے اظہار کے لیے ان کی قبروں کے پاس روشنی کی جائے، جائز ہے۔ اس سے نہ روکا جائے''۔ (تفسیر روح البیان، سورہ توبہ زیرِ آیت ۱۸)

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''بیت المقدس ایک مقدس مسجد ہے۔ اس میں چراغ جلانا اس کی تعظیم ہے اسی طرح صالحین اور اولیاء کرام کے مزارات ہیں''۔ (کشف النور ص ۲۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''اولیاء کرام اور صالحین کے مزارات کے پاس چراغ اور قندیلیں روشن کرنا، اولیاء کی تعظیم وتکریم میں داخل ہے''۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ)

حدیث شریف میں جو ممانعت آئی ہے وہ اسراف کے باعث ہے یعنی اگر کوئی ضرورت نہ ہو جیسا کہ اوپر ''احکامِ شریعت'' کی عبارت نقل کی گئی، اور بلا ضرورت چراغ یا موم بتی جلائی جائے تو ناجائز ہے۔ اسی طرح مزارات پر بجلی کی روشنیوں کا مناسب انتظام ہونے کے باوجود چراغ یا موم بتیاں جلانا بھی اسراف وناجائز ہے۔

اکثر لوگ شبِ برات وغیرہ میں اپنے عزیز واقارب کی قبروں پر چراغ یا اگربتیاں جلاتے ہیں۔ اگر مذکورہ اغراض میں سے کوئی صحیح غرض ہو تب بھی عین قبر پر چراغ وغیرہ جلانا منع وناجائز ہے البتہ قبر سے ذرا ہٹ کر جلانا جائز ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''اگربتی، لوبان وغیرہ قبر کے اوپر رکھ کر ہرگز نہ جلائیں کہ اس میں سوئے ادب اور بدفالی ہے ہاں قبر کے قریب خالی زمین پر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۸۵)

''اگربتی وغیرہ سلگانا اسی صورت میں جائز ہے جبکہ وہاں کوئی ذاکر یا زائر ہو، اگر صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو منع ہے کہ اسراف ہے''۔ (ایضاً، ص ۱۴۱)

7- سجدہ تعظیمی اور مزار کا بوسہ:

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سجدہ تعظیمی کی حرمت کے متعلق آیت قرآنی کے علاوہ چالیس احادیث اور ڈیڑھ سو فقہی حوالوں پر مشتمل ایک کتاب ''الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیۃ'' تحریر فرمائی۔ آپ اس کے آغاز میں فرماتے ہیں، ''اے مسلمان! اے شریعتِ مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدہ مولیٰ تعالیٰ عزوجل کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کے سوا کسی کو سجدہ عبادت تو یقیناً شرک وکفر ہے اور سجدہ تعظیمی یقیناً حرام وگناہ کبیرہ ہے''۔

آپ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں،

- مزار کا طوافِ تعظیمی ناجائز ہے کیونکہ طوافِ تعظیمی صرف خانہ کعبہ کے لیے مخصوص ہے۔
- مزار کو بوسہ نہیں دینا چاہیے۔ بعض علماء نے اسے جائز کہا ہے مگر بچنا بہتر ہے اور اسی میں ادب زیادہ ہے۔
- آستانہ بوسی میں حرج نہیں اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع شریف میں ممانعت نہ آئی۔
- ہاتھ باندھے الٹے پاؤں آنا ایک طرزِ ادب ہے اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں، ہاں اگر اپنی یا دوسروں کی ایذا کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۸)

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں، ''مزارات پر دونوں ہاتھ رکھنا اور اولیاء کرام کے مواضع سے برکت طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جامع الفتاویٰ میں ہے، ''قبروں پر ہاتھ رکھنا نہ سنت ہے نہ مستحب، لیکن ہم اس میں کوئی حرج نہیں دیکھتے''۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اگر مقصد خیر ہے تو یہ فعل بھی خیر ہوگا، دلوں کی باتیں اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں''۔ (کشف النور ص ۲۵)

مزارات پر حاضری کے وقت مذکورہ آداب کا خیال رکھنا بیحد ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہی ہے کہ مزار کو نہ چومیں نیز اسکے سامنے رکوع کریں نہ سجدہ۔ بلکہ ادب کا تقاضا یہی ہے کہ مؤدب کھڑے رہیں۔

8- عورتوں کا قبور پر جانا:

''عورتوں کے لیے بعض علماء نے زیارتِ قبور کو جائز بتایا ہے، دُرِّ مختار میں یہی قول ہے مگر عزیزوں کی قبر پر جائیں گی تو رونا پیٹنا کریں گی لہٰذا ممنوع ہے اور صالحین کی قبور پر برکت کے لیے جائیں تو بوڑھی عورتوں کے لیے حرج نہیں اور دوسروں کے لیے ممنوع ہے۔ (ردُّالمختار) اور سلامتی اسی میں ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں''۔ (بہارِ شریعت حصہ ۴ ص ۱۳۲ بحوالہ فتاویٰ رضویہ)

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''جب صحابہ وتابعین کرام کے خیر وبرکت والے زمانوں میں عورتیں مسجدوں میں جانے اور نماز باجماعت میں شریک ہونے سے منع کر دی گئیں حالانکہ دینِ اسلام میں دونوں کی شدید تاکید ہے تو کیا اس برائیوں کے زمانے میں فیوض وبرکات کے حصول کے حیلے سے عورتوں کو قبروں کی زیارت کی اجازت دی جائے گی جس کی شریعت میں کوئی تاکید نہیں؟؟............ پھر آپ عمدۃ القاری شرح بخاری کے حوالے سے فرماتے ہیں،''عورتوں کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اور یہ نکلنا ایک حرام کا سبب ہے اور جو کام حرام تک پہنچانے والا ہو وہ حرام ہی ہے''۔

(جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور)

9- مزار پر کھانا کھلانا:

مزارات پر عام دنوں میں بھی اور خصوصاً عرس کے دنوں میں زائرین کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ راہِ خدا میں مال خرچ کیا جائے اور زائرین کو کھانا کھلایا جائے اور اس مال خرچ کرنے کا ثواب صاحبِ مزار کی روح کو پہنچایا جائے، اسے نذر بھی کہا جاتا ہے۔

نذر کی دو قسمیں ہیں۔ نذرِ حقیقی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے جبکہ نذرِ مجازی یہ ہے کہ کوئی شے بطور ہدیہ ونذرانہ کسی ولی کے ایصالِ ثواب کے لیے اسکے مزار پر صدقہ کی جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو داتا دربار پر کھانا تقسیم کروں گا یا گیارھویں شریف کروں گا۔ اس کا مقصد ان بزرگ کو ایصالِ ثواب کرنا ہوتا ہے اور یہ بلاشبہ جائز ہے۔

☆ ایصالِ ثواب سے متعلق ایک صحابی نے حضورِ اکرم نورِ مجسم ﷺ سے سوال کیا، یا رسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اگر میں کچھ صدقہ خیرات کروں تو کیا انہیں ثواب ملے گا؟ فرمایا، ہاں! تمہارے صدقہ خیرات کا انہیں ثواب پہنچے گا۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب صدقۃ المرأۃ)

راہِ خدا میں خرچ کرنے کی فضیلت پر بیشمار احادیث وارد ہیں۔

☆ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابنِ آدم! تو میری راہ میں خرچ کر، میں تجھے اور عطا کروں گا''۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ باب الانفاق)

☆ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''بے حساب خرچ کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں بے حساب عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں دینے سے گریز کرے گا لہٰذا جہاں تک ممکن ہو خیرات کرو''۔ (ایضاً)

کھانا کھلانے کی فضیلت پر یہ احادیث بھی ملاحظہ فرمائیں۔

☆ نورِ مجسم ﷺ نے فرمایا، ''رحمٰن کی عبادت کرو، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، سلام کو پھیلاؤ اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ''۔ (مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ)

☆ آقا کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ''جس نے اپنے بھوکے مسلمان بھائی کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا''۔ (ایضاً بحوالہ ابوداؤد، ترمذی)

☆ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا، ''سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو تہجد پڑھو اور سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ''۔ (ایضاً)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ کھانے اور مال خرچ کرنے کا ثواب اس ولی کی روح کو پہنچایا جائے اور یہ مسنون ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا

کہ اُمّ سعد کا حال بخاری و مسلم میں مذکور ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ نذر کا ثواب کسی ولی کی روح کو پہنچایا جائے اور طعام و مال کا مصرف اس ولی کے عزیز و اقارب، اس کے خدام اور متوسلین ہیں''۔ (فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۱۲۱)

اس بات کا باآسانی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ نان شبینہ کو محتاج ہوں اور وہ جو مسافر ہوں، بزرگوں کے مزارات پر حاضری کے بہانے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ ایک ایسا شخص جو سخت بھوکا ہو اور مزار شریف پر نذر و نیاز کے سبب اسے اگر ایک وقت کا کھانا مل جائے تو کیا یہ اس کے لیے نعمت نہیں؟ پھر اس بھوکے کے دل سے جو دعا نکلتی ہوگی وہ اس شخص کے لیے کتنی مؤثر ہوگی جس نے مزار شریف پر نذر و نیاز کا اہتمام کیا۔

10-اعراسِ اولیاء کرام:

عرس کے لغوی معنی شادی کے ہیں اور مشائخِ طریقت کی اصطلاح میں اولیاء کاملین اور بزرگانِ دین کے یومِ وصال کو عرس کا دن کہتے ہیں۔ عرس کا لفظ اس حدیث پاک سے ماخوذ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، صالح مومن جب نکیرین کے سوالوں کے صحیح جواب دے دیتا ہے تو اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے اور اس کی قبر کو نور سے روشن کردیا جاتا ہے پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں،

نَمْ کَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّذِیْ لَا یُوْقِظُهٗ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهٖ اِلَیْهِ۔

''تو اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کا محبوب ہی جگاتا ہے''۔

(ترمذی، مشکوۃ باب اِثبات عذاب القبر)

چونکہ اس دن ان کو ''عروس'' کہا گیا (جو دولہا اور دلہن دونوں کے لیے بولا جاتا ہے) اس لیے ان کے وصال کے دن کو ''عرس'' کا دن کہا جاتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وصال کے بعد قبر میں آقا و مولیٰ ﷺ کا دیدارِ پُر انوار نصیب ہوتا ہے اس لیے محبوبِ حقیقی کے دیدار کے باعث وہ خوشی اور شادی کا دن قرار پاتا ہے اس نسبت سے بھی اسے عرس کا دن کہتے ہیں۔

عرس کی حقیقت یہ ہے کہ ہر سال وصال کے دن کسی ولی کے مزار کی زیارت کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت اور صدقات کا ثواب اسے پہنچانا۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کا ہر سال ایک معینہ تاریخ پر شہدائے احد کے مزارات پر جانا، انہیں سلام کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہی عرس کی اصل ہے۔

(شرح الصدور ص ۱۹۳، جذب القلوب ص ۲۰۲)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''بہت سے لوگ جمع ہوں اور قرآن کریم تلاوت کریں پھر شیرینی اور کھانے پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کردیں۔ یہ طریقہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مروج نہ تھا لیکن اگر کوئی کرے تو کوئی حرج نہیں کہ زندوں سے مُردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے''۔ (فتاویٰ عزیزیہ ص ۴۵)

عرس کا دن مقرر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوجاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں،

''عرس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جائے، اچھا ہے اور فلاح و نجات کا ذریعہ ہے''۔ (زبدۃ النصائح)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''عرس'' کے حوالے سے فرماتے ہیں،

''جس دن اولیاء وصال فرما کر بارگاہِ قدس میں پہنچتے ہیں، اس دن میں تمام دنوں سے زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید ہے اور یہ متاخرین ہی کے بتائے ہوئے مستحسن اعمال میں سے ہے''۔ (ماثبت بالسنۃ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''ایسا عرس جس میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو، شرکیہ امور اور فسق و فجور کا ارتکاب نہ ہو، کھیل تماشے اور رقص و سرود و موسیقی نہ ہو، جائز و درست ہے کیونکہ محفلِ عرس کا مقصد تو ایصالِ ثواب، فاتحہ و قرآن خوانی ہے''۔

(موہب ارواح القدس لکشف حکم العرس ص ۵، ملخصاً)

عرس کے موقع پر بعض جگہ قوالی بھی ہوتی ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ مروّجہ قوالی ناجائز ہے۔ صوفیہ اور بزرگوں سے جو سماع منسوب کیا جاتا ہے وہ مروجہ سماع نہیں ہے۔ قوالی مندرجہ ذیل سات شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

اول: قوالی کہنے والا باشرع ہو۔

دوم: شرکاءِ محفل غیر فاسق ہوں۔

سوم: ان میں کوئی نااہل نہ ہو۔

چہارم: وہاں کوئی لڑکا یا عورت نہ ہو۔

پنجم: اشعار خلافِ شرع نہ ہوں۔

ششم: قوال کی نیت اجرت لینے کی نہ ہو۔

ہفتم: لوگ لہو ولعب اور لذتِ نفس کی نیت سے جمع نہ ہوں۔

بعض لوگ یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ''میری قبر کو عید نہ بناؤ'' اور وہ اس سے مزارات پر اجتماع کے ناجائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ اسکے جواب میں اکابرینِ دیوبند کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا فتویٰ پیشِ خدمت ہے۔

وہ لکھتے ہیں، ''اسکا صحیح معنی یہ ہے کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں اور زینت و آراستگی و دھوم دھام کا اہتمام کرنا یہ ممنوع ہے اور یہ معنی قطعی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ روضہ اقدس کی زیارت کے واسطے مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا بھی منع ہوتا''۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۲۶)

صدرُ الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، ''اولیاء کرام کے مزاراتِ طیبہ پر سفر کر کے جانا جائز ہے۔ وہ اپنے زائر کو نفع پہنچاتے ہیں اور اگر وہاں کوئی برائی ہو مثلاً عورتوں سے اختلاط وغیرہ تو اس کی وجہ سے زیارت ترک نہ کی جائے کیونکہ ایسی باتوں سے نیک کام ترک نہیں کیا جاتا بلکہ اس برائی کو برا جانے اور ممکن ہو تو بری بات زائل کرے''۔ (بہارِ شریعت حصہ ۴ ص ۱۳۲، ردالمختار)

دعوتِ فکر و عمل:

ہمارا موقف یہی ہے کہ مزارات پر یا ان کے قریب غیر شرعی امور مثلاً مرد و زن کا اختلاط، میلہ بھنگڑا، ڈھول باجے، کھیل تماشے، سجدے اور دیگر ناجائز کاموں کا ارتکاب سخت ناجائز ہے اور محکمہ اوقاف یا متولیانِ مزارات کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ مذکورہ غیر شرعی امور کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

کافی عرصے سے اس بات کو محسوس کیا جا رہا ہے کہ محکمہ اوقاف کے ''ذمہ دار'' افراد نہایت غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزارات پر غیر شرعی امور کی روک تھام سے بالکل غافل ہیں۔ اربابِ اقتدار کو چاہیے کہ وہ مزاراتِ مقدسہ کا نظم و نسق جید علمائے اہلسنت کے حوالے کریں تا کہ مزاراتِ اولیاء پر غیر شرعی امور کی مناسب روک تھام کی جا سکے۔

مزارات سے متعلق جن جائز امور کا ہم نے ذکر کیا آپ بتائیے کہ ان میں سے کون سی چیز ایسی ہے جو کسی دلیلِ شرعی سے منع ہو؟؟ باقی رہا اس لچر گفتگو کا معاملہ جو مزارات کے خلاف ہوتی ہے اور مزارات کو شرک و کفر اور بدعتوں کا منبع قرار دیا جاتا ہے، کیا یہ ناانصافی اور زیادتی نہیں کہ ایسے لوگ جاہل اور ان پڑھ عوام کو کچھ کرتا ہوا دیکھ کر ان بزرگانِ دین کے وارثوں سے جانے اور پوچھے بغیر محض عوام کے عمل پر فتویٰ دے دیتے ہیں اور خود ہی سے کوئی ناجائز فعل یا نظریہ علماء و مشائخ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ چاہیے تو یہ کہ ان بزرگانِ دین و اولیاء کرام کے مسلک و مشرب سے تعلق رکھنے والے علماء و مشائخ سے اس کی شرعی حیثیت معلوم کی جائے، صرف عوام کو دیکھ کر فتویٰ داغ دینا کہاں کا انصاف ہے!!!

وہ اکابر علماء و مشائخ کرام جن کا تعلق مشہور خانقاہوں اور بزرگانِ دین کے مزارات سے ہے، ان سے گذارش ہے کہ وہ صاحبانِ مزارات، اولیاء کرام کی تعلیمات کو اپنائیں اور ان سے راہنمائی حاصل کر کے اپنی اور اپنے گھر والوں کی آخرت سنواریں اور اپنے مریدین و معتقدین اور عوام الناس کے افکار و اعمال کی بھی اصلاح فرمائیں۔ "کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہ" کے تحت ہر کسی کے حلقۂ اثر میں غیر شرعی اعمال کا قلع قمع اس کی دینی ذمہ داری ہے۔

☆☆☆☆

باب دہم: اولیاء سے استعانت

استعانت اور قرآن:

مزارات کے حوالے سے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ''وہاں شرک ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں ہے، وایاک نستعین۔ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ اور وہاں صاحبِ مزار سے مدد مانگی جاتی ہے یا توسل کیا جاتا ہے لہٰذا شرک ہے''۔

توسل کے جواز کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم پہلے ہی تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اب استعانت کے متعلق اختصار سے چند دلائل پیش کرتے ہیں۔ تفصیل جاننے کیلئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''برکات الامداد لاِھلِ الاستمداد'' مطالعہ فرمائیں۔

استعانت کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور مجازی۔

استعانت حقیقی یہ ہے کہ کسی کو قادر بالذات، مالک مستقل اور حقیقی مددگار سمجھ کر مدد مانگنا۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان کے لائق ہے۔ اگر کسی مخلوق کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ عطائے الٰہی کے بغیر خود اپنی ذات سے مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو یہ شرک ہوگا اور کوئی مسلمان بھی انبیاء کرام اور اولیائے عظام کے متعلق ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔

استعانت مجازی یہ ہے کہ کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، حصولِ فیض کا ذریعہ اور حاجت روائی کا وسیلہ جان کر اس سے مدد مانگی جائے، یہ قطعاً حق ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے مدد مانگی۔ (ال عمران:۵۲)

☆ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو مددگار بنانے کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ (طٰہٰ:۳۶)

☆ مومنوں کو صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا۔ (البقرہ:۱۵۳)

☆ حضرت ذوالقرنین نے بھی لوگوں سے مدد مانگی۔ (الکہف:۹۵)

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس لانے کیلئے مدد مانگی۔ (النمل:۳۸) ☆ نیک کاموں میں مسلمانوں کو مددگار بننے کا حکم دیا گیا۔ (المائدہ:۲)

☆ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے دین کے لئے مدد طلب فرمائی۔ (محمد:۷)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے مدد مانگنا انبیاء کرام علیہم السلام اور صالحین کا طریقہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ''اے غیب کی خبریں بتانے والے! اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے''۔ (الانفال:۶۴)

دوسری جگہ فرمایا، ''بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے اور اسکے بعد فرشتے مدد پر ہیں''۔ (التحریم:۴، کنزالایمان)

ایک اور فرمان عالیشان ہے، ''بیشک تمہارے مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول اور وہ مسلمان ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور رکوع کرتے ہیں''۔ (المائدہ:۵۵)

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی مددگار ہے، ملائکہ بھی اور اولیاء وصالحین بھی۔ فرق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مددگار مشکل کشا ہونا بالذات اور مخلوق سے بے نیاز وغنی ہو کر ہے اور اسکی صفات ازلی، ابدی، اور لامحدود ولامتناہی ہیں، جبکہ بندوں کا مددگار و مشکل کشا اور داتا ہونا اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور بندوں کی صفات حادث، فانی اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

اِیَّاکَ نَستَعِین:

اہلسنت کے پیشوا جنہیں دیوبندی حضرات بھی اپنا مقتدا مانتے ہیں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایاک نستعین کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

''یہ سمجھنا چاہیئے کہ مخلوق سے ایسی استعانت حرام ہے جس میں مخلوق ہی پر اعتماد ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر نہ جانے۔ اگر توجہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر جانے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کارخانۂ اسباب پر نظر کرتے ہوئے اس سے ظاہری طور پر مدد مانگے تو یہ راہ معرفت سے دور نہیں اور یہ استعانت شریعت میں جائز ہے۔

اس قسم کی استعانت انبیاء کرام اور اولیاء عظام نے بھی مخلوق سے کی ہے اور در حقیقت یہ استعانت غیر اللہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے''
۔

(تفسیر عزیزی جلد اول ص ۸)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں رقم طراز ہیں،

''اس استعانت ہی کو دیکھیے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا، ان معنوں میں ہی اگر بیماری کے علاج میں طبیب یا دوا سے مدد طلب کرے یا فقیری کی حاجت میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے بلکہ کسی سے روزمرہ کے معمولی کاموں میں مدد لے جو یقیناً تمام منکرینِ استعانت روزانہ اپنی عورتوں، بچوں اور نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھا دے یا کھانا پکا دے، سب قطعی شرک ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کر دینے پر خود انہیں اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر و شرک میں کیا شبہ رہا؟ اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، واسطہ، وسیلہ اور سبب جان کر تو انہی معنوں میں انبیاء کرام و اولیاء عظام سے مدد مانگنا کیونکر شرک ہوگا؟

(برکات الامداد ص ۲۸)

اس مسئلے پر غیر مقلدوں کے پیشوا نواب وحید الزماں لکھتے ہیں،

''جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ جمال گوٹہ از خود دَست لاتا ہے یا آگ از خود جلاتی ہے وہ مشرک ہے اور جو یہ جانتا ہے کہ جمال گوٹہ کا دست لانے کا سبب بننا اور آگ کا جلانا اللہ تعالیٰ کے حکم اور اُسکے اِذن و ارادے سے ہے تو وہ توحید پرست ہے مشرک نہیں''۔ (ہدیۃ المہدی ص ۱۷)

استعانت بعد از وصال:

قرآن و حدیث کے واضح دلائل سن کر منکرین جب لاجواب ہو جاتے ہیں تو یہ کہہ دیتے ہیں، ''زندوں سے استعانت کے ہم بھی قائل ہیں مگر مُردوں سے استعانت شرک ہے''۔

اس لغو اعتراض کے جواب میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

''جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے گا شرک ہوگا اور ایک کے لئے شرک نہیں تو وہ کسی کے لئے شرک نہیں ہو سکتا۔ کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہو سکتے، زندے ہو سکتے ہیں؟ دور کے نہیں ہو سکتے، پاس کے ہو سکتے ہیں؟ انبیاء نہیں ہو سکتے، حکیم ہو سکتے ہیں؟ انسان نہیں ہو سکتے، فرشتے ہو سکتے ہیں؟ حاشا للہ! اللہ عزوجل کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا''۔ (برکات الامداد، ص ۲۸)

غیر مقلدوں کے پیشوا نواب وحید الزماں لکھتے ہیں،

''عجیب ترین بات یہ ہے کہ ہمارے کچھ (غیر مقلد) بھائیوں نے اس مسئلہ میں زندوں اور مردوں کا فرق کیا ہے اور گمان کیا ہے کہ وہ امور جو بندوں کی قدرت میں ہیں، اُن امور میں زندوں سے مدد مانگنا شرک نہیں جبکہ مردوں سے مدد مانگنا شرک ہے حالانکہ یہ واضح طور پر غلط ہے کیونکہ غیر اللہ ہونے میں زندہ اور مردہ برابر ہیں''۔ (ہدیۃ المہدی، ص ۱۸)

دیوبندی مکتبہ فکر کے پیشوا مولوی اشرفعلی تھانوی نے بھی یہی عقیدہ تسلیم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، ''جو استعانت و استمداد باعتقاد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو باعتقاد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم و قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ جس سے مدد مانگی جائے وہ زندہ ہو یا مردہ□ ''۔

(امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۹۹)

بعض منکرین یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ لوگ وفات یافتہ انبیاء و صالحین سے ایسی چیزیں مانگتے ہیں جن کی قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، اس لئے یہ استعانت شرک ہے۔

مکہ مکرمہ کے جلیل القدر عالم ڈاکٹر سید محمد علوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

''مسلمانوں کے مسلک پر بدگمانی اور کج فہمی کے سوا اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ انبیاء و صالحین کو مسلمان وسیلہ و سبب بناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جو مراد مانگی جارہی ہے یہ اسے پوری کرنے میں سبب بن جائیں، انکی دعا و شفاعت اور توجہ کے سبب اللہ تعالیٰ مراد پوری فرمادے۔ اور یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابینا صحابی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر آپ کو وسیلہ بنایا اور اللہ تعالیٰ سے طلب و استغاثہ میں آپ وسیلہ بنے۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ مراد پوری بھی ہوئی اور نبی کریم ﷺ نے اس نابینا صحابی سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے مجھ سے یہ طلب و توسل کر کے شرک کیا ہے۔

اسی طرح دوسرے خوارق عادات کی طلب مثلاً لا علاج مرض سے بغیر دوا کے شفایابی، بغیر بادل کے بارش برسانا، بصارت واپس کر دینا، انگلیوں سے پانی کا فوارہ جاری کرنا، تھوڑے سے کھانے کو زیادہ بنا دینا وغیرہ وغیرہ، یہ ساری چیزیں عادۃً انسانی قدرت سے باہر ہیں لیکن رسول کریم ﷺ سے یہ چیزیں مانگی گئیں اور آپ کے توسل و توسط سے صحابہ کرام کو یہ چیزیں ملیں۔ کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا، ''تم نے مجھ سے ایسی چیزیں مانگی ہیں جن پر صرف اللہ قادر ہے اس لئے تم مشرک ہو گئے۔ تمہارے لیے تجدید اسلام ضروری ہے''۔

کیا آج کے علمبردارانِ توحید (معاذ اللہ) حضور ﷺ سے بھی زیادہ توحید کی حقیقت سے واقف ہیں؟ عالم تو درکنار کوئی جاہل مسلمان بھی کبھی ایسی بات نہیں سوچ سکتا''۔

(اصلاح فکر و اعتقاد ص ۲۳۴)

استعانت، اولیاء کی کرامت:

جیسے نبی سے معجزہ ظاہر ہوتا ہے ایسے ہی ولی سے کرامت ظاہر ہوتی ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''وہ تمام امور جو انبیاء کرام سے بطور معجزہ صادر ہوتے ہیں ان کا اولیاء کرام سے بطور کرامت صادر ہونا جائز ہے۔ اس کا انکار صرف جاہل ہی کرے گا''۔ (الحاوی الفتاوی ج ۲ ص ۱۵۰)

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، ''اہلِ بدعت اور بدمذہبوں کا کرامات کا انکار کرنا کچھ عجیب نہیں ہے کیونکہ انہوں نے نہ تو اپنی کرامات دیکھی ہیں اور نہ ہی اپنے بڑوں کی''۔ (شرح مقاصد، ج ۲ ص ۲۰۴)

اہلسنت و جماعت کے پیشوا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلسنت کے عقیدہ کی بہترین ترجمانی فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں،

''حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جس کی زندگی میں اس سے مدد مانگی جاتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جائے گی۔ ایک عظیم بزرگ نے فرمایا، ''میں نے چار مشائخ کو اپنی قبروں میں اس طرح تصرف کرتے ہوئے دیکھا جس طرح وہ اپنی زندگی میں تصرف کیا کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ وہ مشائخ شیخ معروف کرخی، سید عبدالقادر جیلانی، شیخ عقیل منجی اور شیخ حیات بن قیس حرانی ہیں (رحمہم اللہ تعالیٰ)''۔

اسکا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہی چار بزرگ اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں بلکہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہی بیان کر دیا۔

(آخر الذکر دو نام بہجۃ الاسرار میں مذکور ہیں)

سیدی احمد بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ جو دیارِ مغرب کے اکابر فقہا و علماء و مشائخ میں سے ہیں، فرماتے ہیں، ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی رحمۃ اللہ علیہ سے مجھ سے دریافت کیا، کہ زندہ کی امداد قوی ہے یا مردہ کی؟ میں نے کہا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ وفات یافتہ کی مدد زیادہ قوی ہے۔ شیخ نے فرمایا، ''ہاں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسکے پاس ہے''۔

اس بارے میں صوفیہ کرام سے اس قدر روایات منقول ہیں کہ شمار سے باہر ہیں پھر کتاب و سنت اور اقوال صالحین میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس عقیدہ کے منافی اور مخالف ہو۔

آیات و احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روح باقی یعنی زندہ ہے اور اسے زائرین اور انکے حالات کا علم اور شعور ہوتا ہے۔ کاملین کی روحوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب اسی طرح ثابت ہے جس طرح زندگی میں تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اور انہیں کائنات میں تصرف کی قوت و طاقت حاصل ہے۔ یہ سب کچھ انکی ارواح کرتی ہیں اور وہ باقی ہیں۔

حقیقی تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سب کچھ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اولیاء کرام اپنی زندگی میں اور وصال کے بعد بھی حق تعالیٰ کے جلال میں فانی و مستغرق ہیں''۔

(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور ج ا ص ۷۱۵)

☆☆☆☆